

تعلیم و تربیت کی اہمیت

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر فرحت عظیم

صدر شعبہ سیاسیات: سرسید گورنمنٹ ڈگری کالج کراچی

ABSTRACT

Prof.Dr. Frhat Azim

Education is the knowledge of putting one's potentials to maximum use. Without education, no one can find the proper right path in this world.

To seek knowledge is a sacred duty, it is obligatory on every Muslim, male and female. The first word revealed of the Qur'an was "Iqra" READ!

Training and Development with education is very important. It is the framework for helping children to develop their personal skills, knowledge, and abilities. we can say that training is of two types that is Internal and External training. Internal training involves when training is organized in-house. On the other hand External training is normally outside the house. whichever training, it is very essential for all.

Knowledge is the most important thing in one's life. There are two kinds of knowledge: Religious knowledge and Secular knowledge. These two kinds of knowledge's are very important for a human being. Secular for this day to day dwelling and religious for his smooth life on earth and hereafter. The Holy Prophet of Allah (S.A.W.) has said: "Attainment of knowledge is a must for every Muslim."

معلم انسانیت اور باعث تخلیق کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دنیا میں تشریف آوری کا اصل مقصد گمراہ اور ہنگامی ہوئی انسانیت کی تعلیم و تربیت اور انہیں کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیں پر غور و فکر کی دعوت دینا تھا۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے اعلیٰ منصبوں پر فائز کرنے کے علاوہ معلم اعظم کے منصب پر بھی مامور فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۲)

وہ (نبی کریم ﷺ) ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ عرب جاہل تھے اور اس جاہلیت پر انہیں فخر تھا۔ (۳) جاہلیت کا بنیادی خاصہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اودھام پرست، بد اخلاق، گنوار اور حشی بن جاتا ہے، اسلام نے تعلیم کی وجہ سے افراد کو توحید پرست، با اخلاق، مہذب اور امن پسند بنایا ہے، آپ ﷺ نے اسی لئے تعلیم پر زور دیا اور اسے دینی اور دنیوی کامرانوں کا وسیلہ قرار دیا۔ (۴) اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا سکھائی:

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۵)

اے میرے رب علم کو زیادہ کر۔

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (۶)

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان داروں کے اور بالخصوص اہل علم کے درجات بلند کرے گا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۷)

فرمادیجئے کہ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۸)

خدا کے بندوں میں اس سے ڈرنے والے علماء ہی ہوتے ہیں۔

تعلیم و تدریس کا مفہوم:

علم کسی چیز کی حقیقت کو سمجھنے کا نام ہے یا کسی شے کے مکمل ادراک کا نام علم ہے۔ تعلیم اس کا فصل ہے تعلیم کے لغوی معنی کسی کو بتانا، پڑھانا یا سکھانا ہیں۔ اسلام نے جو تصور علم دیا ہے اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ علم اشیاء اسی کا دیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت کا علم بھی اسی کی طرف سے ہے حواس اور عقل و تجربہ بڑے اہم ذرائع علم ہیں، لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے۔ نیز یہ کہ علم کا تعلق محض لوازمات حیات ہی سے نہیں، مقاصد حیات سے بھی ہے، یہی وہ تصور ہے جس سے ہمارے نظام تعلیم کا پورا مزاج بنتا ہے۔ اس میں علم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے، اور ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص نظام تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں اس کا اظہار علم و فضل کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے، جو علم، نیکی اور اخلاق حسنہ کے مفہوم کو ادا کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے بتلایا کہ علم کے لئے کوئی خاص عمر مقرر نہیں ہے اور نہ ہی علم کی انتہا ہے۔ کوئی شخص اگر ماں کی گود سے قبر تک دن رات علم کی تحصیل میں مصروف رہے پھر بھی وہ علم کو ختم نہیں کر سکتا، بلکہ کسی شعبہ کے علم کا مکمل احاطہ بھی نہیں کر سکتا۔ علم کی فضیلت اور اہمیت کا یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ مجھے علم سکھانے والا بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ ”عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں کے چاند کو سب ستاروں پر“ (۹) ”جس نے علم کی طلب کی اور وہ کامیاب ہوا تو اسے دو گنا اجر ملے گا اور اگر ناکام رہا تو اکہرا اجر ملے گا۔“ (۱۰) ”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے۔“ (۱۱) ”اگر طالب علم کو علم کی تلاش میں موت آ جائے تو وہ شہید ہے۔“ (۱۲) ”ح آدمی علم کی تلاش میں نکلتا ہے، وہ واپس آئے اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔“ (علماء انبیاء کے

دارث ہیں، انبیاءؑ نے درہم و دینار کا نہیں علم کا ورثہ چھوڑا ہے۔“ (۱۴) ”مومن علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔“ (۱۵) ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبویؐ میں تشریف لائے، ایک مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جا رہا تھا اور دوسری میں دین کا علم حاصل کیا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم والے افضل ہیں اور آپ ﷺ اس مجلس میں شریک ہو گئے۔ (۱۶) جو آدمی تلاش علم کا راستہ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، فرشتے اس کے قدموں تلے پر بچھاتے ہیں اور اس کی مغفرت کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں دعا کرتی ہیں، حتیٰ کہ مچھلیاں سمندر میں، پرندے ہوا میں اور چینوٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ”رات کی ایک گھڑی علم سیکھنا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ”علم دولت سے بہتر ہے۔ علم تیری پاسبانی کرتا ہے اور تو دولت کی پاسبانی کرتا ہے۔ علم حکمران ہوتا ہے اور دولت پر حکمرانی کی جاتی ہے۔ دولت خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ تمام لوگوں میں مقام نبوت کے زیادہ قریب اہل علم اور مجاہد ہوتے ہیں۔ میرے بعد سب سے بڑا نبی وہ ہوگا جو علم کو دیکھے اور پھیلانے لگے۔ تم سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن مجید خود دیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔“

تعلیم و تربیت کا مفہوم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے، لیکن اسلام تو سراسر نام ہی تعلیم و تربیت کا ہے، حضور اکرم ﷺ نے اپنی تربیت سے جہالت کی تمام تاریکیاں لپیٹ کر رکھ دیں اور اصلاحی معاشرہ میں علم کا اتنا چرچا ہوا اس کی اتنی زیادہ اہمیت بڑھی کہ ہر طرف علمی مجلسیں لگنے لگیں۔ گھر گھر مدرسے کھل گئے اور بچے بوڑھے، عورتیں اور مرد بلا تخصیص عمر علم حاصل کرنے لگے، قیدی بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر رہائی پانے لگے اور عورتیں حق مہر میں تعلیم حاصل کرنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف علم کی روشنی نے پورے اسلامی

معاشرہ کو منور کر دیا۔ (۱۷) انسان کی تربیت قدرتی بھی ہوتی ہے اور گرد و پیش کے حالات و مشاہدات سے بھی، دوسروں سے سیکھ کر بھی اور لکھ پڑھ کر بھی۔ لیکن تربیت کی اصل ذمہ داری ایک فرد کی اپنی ہی ہے، تربیت کے عمل میں یہ سب سے پہلا اور بنیادی سبق ہے، (۱۸) جو ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے۔ ہم جیسا بھی بننا چاہیں وہ اپنی کوشش سے اور اپنے عمل سے نہیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بہت واضح اور صاف طور پر بیان فرما دیا ہے کہ آدمی کے حصے میں وہی کچھ آتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔

وَكَانَ لِكُلِّ نَسْلٍ لِّلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝ (۱۹)

اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔

جو آدمی خود کچھ نہ بننا چاہے وہ دوسروں کے بنانے سے نہیں بن سکتا۔ آدمی اپنی محنت اور کوشش سے ہی اپنے آپ کو وہی کچھ بناتا ہے جو وہ بننا چاہتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ (۲۰)

فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔

تعلیم و تربیت کی بنیاد فلاح انسانیت ہے:

انسانیت کا شرف علم سے وابستہ ہے، علم نہ ہو تو آدمی جانوروں سے بھی ادنیٰ ہوتا ہے، وہ کسی عزت کے قابل نہیں رہتا۔ (۲۱) حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو علم حاصل نہیں کرتا اور اس کے باوجود اپنے کو عزت کا مستحق سمجھتا ہے (۲۲) جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہا تو فرشتوں کے آگے اپنے ارادہ کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں انسان کو خلافت کا منصب دینا چاہتا ہوں، فرشتے بولے، کیا تو اُسے اپنا نائب بنانا چاہتا ہے، جو وہاں بگاڑ پیدا کرے گا اور خون بہائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس اعتراض کو یوں رد کیا کہ انسان کو کچھ اشیاء کے نام بتائے، پھر فرشتوں سے ان اسماء کے بارے میں پوچھا تو وہ لا جواب تھے، اب اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا تو اس نے سب نام سنا دیئے، فرشتے دم بہ خود رہ گئے۔ انہوں نے عجز کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کو

ہدیہ تعظیم پیش کیا۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز سے انسان نے فرشتوں پر بھی شرف حاصل کیا وہ علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انسان پر بے شمار احسانات ہیں، علم اس کے بنیادی احسانوں میں سے ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں اس حقیقت کو یوں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اَقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۲۳)

(اے نبی) پڑھئے اور آپ ﷺ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، اس نے انسان کو پڑھایا جس کا اسے علم نہ تھا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور کریمی کا ذکر ہے، اُس کی کریمی کے فیوض میں سے یہاں صرف ایک فیض بیان کیا گیا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم سے تعلیم دی اور اسے نامعلوم چیزوں کا علم دیا۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر انبیاء علیہم السلام کی ایک امتیازی سنت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ علم رکھتے تھے، حضرت لوط، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے تذکروں میں خصوصیت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم اور علم عنایت فرمایا، حکم سے مراد قوت فیصلہ ہے جس کے لئے علم بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک بنیادی فریضہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی لوگوں کو تعلیم دیں، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں علم و حکمت سے مالا مال کرتا رہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض منصبی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۲۴)

ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات سناتا ہے اور ان کو پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

نبی اسرائیل نے جب اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہم پر کسی کو بادشاہ مامور کیا جائے جس

کے زیرِ علم ہم جہاد کریں، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو ان پر بادشاہ بنایا، طالوت ایک غریب آدمی تھے، اس لئے بنی اسرائیل نے اعتراض کر دیا کہ اسے ہم پر بادشاہی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس پر نبی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم اور بدن میں فوقیت دی ہے، بنی اسرائیل یہ سن کر خاموش رہ گئے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمران کے لئے صاحبِ علم ہونا ضروری ہے۔ جاہل حکمران قوم کو غلط راستے پر ڈالتا ہے۔

تعلیم و تربیت کی اہمیت:

علم انسانیت کی شرط ہے، اس کے بغیر انسان کا شرف قائم نہیں رہ سکتا، اسے حسبِ ضرورت اور حسبِ استطاعت علم سیکھنا چاہئے، بلکہ علم کا ایک شعبہ ایسا بھی ہے کہ جس کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے، جس نے اس میں کوتاہی کی وہ مجرم ہوا، جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (۲۵)

علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں، جہاں تک فرضِ عین علم کا تعلق ہے، اس سے عورت بھی معاف نہیں، دین اور زندگی کے بنیادی امور سے آگاہ ہونا لازمی ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مستورات کو بھی دین کی ضروری تعلیم دیا کرتے تھے۔ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک فریضہ یہ تھا کہ وہ مومن خواتین کو دینی مسائل سے آگاہ کیا کریں، مرد ہو یا عورت جس نے بھی دین کی تعلیم حاصل کی اور اس پر عمل کیا اس نے دنیا و آخرت دونوں کو سنوار لیا، ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ (۲۶) اگر کوئی آدمی ذہنی معذوری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے کوشش کے باوجود علم حاصل نہ کر سکے تو بھی اسے ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے تم کی طلب کی اور پالیا تو اسے دہرا اجر ملے گا اور اگر ناکام رہا تو اکہرا اجر پائے گا۔ (۲۷)

عبادت کا فائدہ اپنی ذات تک محدود رہتا ہے اور علم کی برکت میں امت بھی حصہ دار ہوتی ہے۔ اس لئے طلب علم کا درجہ ہر نفل عبادت سے افضل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قلیل علم کثیر (نفل) عبادت سے بہتر ہے۔ (۲۸) یہاں تک کہ آپ ﷺ نے قرآن حکیم کی ایک آیت کے تعلیم کو سو رکعت (نفل) نماز سے بہتر بتایا ہے۔ (۲۹) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں کے چاند کو سب ستاروں پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کو چودھویں کے چاند سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ وہ دنیا کو دین کی روشنی سے منور کرتا ہے۔ (۳۰)

علم کا افق بے حدود ہے، اس کی وسعتیں کائنات کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ اس لئے جو آدمی طلب علم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتا ہے وہ مہد سے لے کر لحد تک بھی اس کے لئے کوشاں رہے تو اس کا حق ادا نہیں کر سکتا، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن نیک علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ طالب علم اور طالب دنیا دونوں کا جی نہیں بھرتا، البتہ دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ طالب علم اللہ تعالیٰ کی رضا میں بڑھے جاتا ہے اور طالب دنیا سرکشی میں ترقی کرتا ہے۔ (۳۱) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ العلم تھے جس کے کنارے افق تا افق پھیلے ہوئے تھے، تاہم اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے ارشاد ہوا:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۳۲)

اور کہئے اے میرے رب! میرا علم بڑھا۔

علم کی پیاس بجھ نہیں سکتی، نیک علم دنیا کے کسی خطے میں بھی ہو اسے حاصل کرنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حکمت کا کلمہ حکیم کی گمشدہ چیز ہے۔ اسے جہاں پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسے سیکھنے میں عار نہ کرے۔ (۳۳) علم کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر کرنا پڑے تو گریز نہ کیا جائے، جہاں سے کوئی اچھی چیز ملے اسے لے لیا جائے، کوئی بری چیز سامنے آئے تو اس سے اجتناب کیا جائے۔ آج سفر آسان

ہے، لیکن کسی زمانے میں سفر پر جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے برابر تھا۔ تاہم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب علم کی خاطر سفر اختیار کر کے کسی تکلیف فرمائی ہے۔ اس بارے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں: جب بھی کوئی آدمی علم کی طلب میں روانہ ہونے کو جوتا، موزہ یا لباس پہنتا ہے تو چوکھٹ پر قدم رکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (۳۴) جو آدمی علم کی تلاش میں نکلتا ہے وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔ (۳۵) طالب علم کو علم کی تلاش کے دوران میں موت آجائے تو وہ شہید ہوتا ہے۔ (۳۶) جو آدمی تلاش علم کا راستہ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے، فرشتے طالب علم پر اظہارِ رضا کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز حتیٰ کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی گناہوں کی مغفرت چاہتی ہیں، عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چاند کو سب ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء نے درہم و دینار نہیں چھوڑے، انہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے، جس نے اس ورثہ کو لیا اس نے بہت وافر حصہ پایا۔ (۳۷)

تعلیم و تربیت کا تقویٰ سے تعلق:

اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو آدمی اپنے علم کو نیک کام میں لگانے کے بجائے برائی میں صرف کرتا ہے۔ غدار اور منافق انسان علم کے بدولت نہایت چالاک اور پُرکار ہو جاتا ہے، منافق کا ایک نہایت کامیاب ہتھیار حکیمانہ کلام ہوتا ہے، وہ اپنی گفتگو کو علم کا رنگ دے کر پُرکشش بنالیتا ہے اور عوام کو آسانی سے جال میں پھانس لیتا ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اس امت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ ان منافقوں سے ہے جن کا کلام حکیمانہ اور عمل ظالمانہ ہوگا۔ (۳۸) خوفِ الہی کا پہرہ نہ ہو تو گناہ انسان پر غالب آ جاتے ہیں، اور ذہنی قوت برباد ہو جاتی ہے، حافظہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور فکری استعداد الٹ جاتی ہے۔ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو وہ گناہ سے مغلوب نہیں ہوتا اور اس کی ذہنی

قوت ٹھکانے سے خرچ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ تقویٰ کے بدولت ذہن بے کار خیالات اور تصورات سے صاف رہتا ہے اور اس میں علم کی پوری آمادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس بندے کو دنیا سے رغبت نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے اور اسے اُس کی زبان پر بھی جاری کرتا ہے۔ اس کو دنیا کے عیوب دکھاتا ہے اور دنیاوی امراض اور ان کی دوا سے آگاہ کرتا ہے اور اسے دنیا سے باسلامت نکال کر عافیت کے گمر میں پہنچا دیتا ہے۔ (۳۹) تقویٰ غرور پیدا نہیں ہونے دیتا، غرور علم کے لئے زہر ہے۔ اس سے ریاء پیدا ہوتی ہے اور طلب حق کا صحیح جذبہ ختم ہو جاتا ہے، بارہا محض اپنے وقار کے لئے منکبر عالم جان بوجھ کر غلط مسلک اختیار کر لیتا ہے۔ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت لازمی ہے:

اسلام نے تعلیم کو تربیت کے ساتھ لازمی قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم باعمل کو خیر کے لفظ سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ (۴۰) قیامت کے روز علم والے سے پوچھا جائے گا کہ اس نے علم کس کام میں لگایا۔ (۴۱) ایک دفعہ چند صحابہ مسجد نبی میں بیٹھے علم کی باہم تدریس کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ جب تک پڑھ سکتے ہو پڑھو لیکن جب تک عمل نہ کرو گے اللہ تعالیٰ اجر نہیں دے گا۔ (۴۲) ایک صحابی کا قول ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم دس آیات پڑھتے تھے تو انہیں علمی اور عملی لحاظ سے خوب سمجھ چکنے کے بغیر آگے نہ بڑھتے تھے۔ (۴۳) جو عالم صاحب عمل نہ ہو قرآن کریم ان سے گدھے سے تشبیہ دیتا ہے، جس پر کتابوں کا بار لدا ہو۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر وہ علم جس پر عمل نہ ہو وبال کا سبب ہوتا ہے۔ (۴۴) اسلامی دنیا میں جس قدر علماء اعظمیہ وہ علم و عمل ہر دو کے بیکر تھے۔ علم کے ساتھ ساتھ شہسواری، تیغ رانی اور تیر اندازی بھی سیکھتے تھے، جب میدان جہاد کی طرف بلا لیا جاتا تو بے دریغ لبیک کہتے تھے۔ علم کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ اسے تجربہ کی دنیا

میں پرکھا جائے، محض باتوں کا نیرنگ نہ ہو، تجربہ کے بغیر آدمی علم کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا حِكْمَةَ إِلَّا ذِكْرًا وَتَجَرِبَةً (۴۵)

تجربہ کار آدمی ہی صاحب حکمت ہوتا ہے۔

قرآن تجرباتی علم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسلام سے قبل اگر حکمت کہیں تھی بھی تو محض نظری اور کتابی حکمت تھی۔ اسلام نے بتایا کہ تجرباتی حکمت کے بغیر کتابی علم بے کار ہے، اہل اسلام نے اقوام عالم کو تجرباتی علم سے روشناس کیا اور بتایا کہ صحیح فکر و فلسفہ وہی ہے جس کو تجربہ کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہو۔

تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے یہی جھوٹ بہتر ہے کہ وہ جو سنے اسے (بغیر تحقیق کے) آگے پہنچا دے، مراد یہ کہ ہر بات کے قبول کرنے کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو بات تحقیق کے معیار پر پوری نہ کرے اسے قبول نہ کیا جائے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

دَكُلٌ أَوْ لَيْكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (۴۶)

اور اس بات کے پیچھے نہ چل جس کا تجھے (صحیح) علم نہیں، یقیناً کان اور آنکھ

اور دل، ان میں سے ہر ایک (عضو) سے اس کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضاء اس لئے دئے ہیں کہ ان سے خوب کام لے، کسی چیز کی بغیر دیکھے سنے یا سمجھے پیر دی نہ کرے۔ ایک ایک عضو سے پرسش ہوگی کہ اس نے کیا کام کیا، یہ الفاظ دیگر ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دینا ہوگا کہ اس نے اپنے اعضاء سے کیا اور کیا کام لیا اور کسی ایک عضو کو بھی بے کار تو نہیں رہنے دیا۔ علم سے کسی شخص کے دل میں یا تو

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خدمت خلق کی غرض ہو سکتی ہے یا دنیوی ہوس اور نمائش کی تمنا، صالح علم وہ ہے جس کا بنیادی نصب العین اللہ تعالیٰ کی رضا اور نفع عامہ ہو۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جس نے وہ علم جس کی غرض اللہ عزوجل کی رہنمائی ہونی چاہئے صرف دنیوی سامان کے لئے سیکھا وہ قیامت کے روز جنت کی بونیک نہیں پائے گا“ (۴۷) جس علم سے دنیا کی لالچ ہی وابستہ ہو اس سے انسانیت کو حقیر نفع ہوتا ہے۔ بلکہ بارہا ضرر پہنچتا ہے، جیسا کہ موجودہ دور میں سائنس دانوں نے دنیوی اغراض کے پیچھے چل کر تباہی خیز آلات پیدا کر لئے ہیں، ایسا علم اگرچہ بظاہر اوروں کے لئے ضرر رساں ہوتا ہے، لیکن ایک دن اپنے برتنے والے کو بھی تباہی کے بھاڑ میں جموٹک دیتا ہے۔ رحمانی علم وہی علم ہے جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو ورنہ علم شیطانی سرمایہ ہے۔ اس لئے مفید علم کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی یادگار میں یوں دعاء کیا کرتے تھے: ”اے ہمارے اللہ! تو نے مجھے جو علم دیا ہے اس سے مجھے فائدہ بخش اور مجھے مزید بھی وہ علم دے جو فائدہ بخش ہو۔ اے رب! میرا علم بڑھا دے۔“ (۴۸) جناب ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”صرف دو آدمیوں سے رشک ہو سکتا ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اُسے حق کی راہ میں خرچ کرے اور دوسرے وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت دی ہو اور وہ اُس کے موافق امور طے کرے اور اس کی تعلیم دے۔“ (۴۹)

تعلیم و تربیت سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں:

محسن انسانیت ﷺ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا جب کہ پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں دور وحشت چل رہا تھا، اور کہیں شرک اور بت پرستی کی لعنتوں نے گھر کر رکھا تھا۔ مصر اور ہندوستان، ہائل اور نیوا، یونان اور چین میں مذہب اپنی شمعیں گل کر چکی تھی۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھی، مگر ان شیش محلوں کے اندر بدترین مظالم کا دور دورہ تھا، اور زندگی کے زخموں سے تعفن اُٹھ رہا تھا، بادشاہ

خدا کے اوتار ہی نہیں، خدا بنے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ جاگیردار طبقوں اور مذہبی عناصر کی ملی بھگت قائم تھی، یہ لوگ ان سے بھاری ٹیکس، رشوتیں، خراج اور نذرانے وصول کرتے تھے، اور ان سے جانوروں کی طرح بیگاریں لیتے تھے۔ لیکن ان کے مسائل سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی، ان کی مصیبتوں میں ان سے کوئی ہمدردی نہ تھی، اور ان کی گتھیوں کا کوئی حل ان کے پاس نہ تھا، ان بالادست طبقوں کی عیاشیوں اور نفس پرستیوں نے اخلاقی روح کو ہلاک کر دیا تھا۔ دنیا کے اکثر حصوں میں طوائف الملوکی کا دورہ دورہ تھا، ٹکراؤ ہوتے، بار بار کشت خون ہوتے۔ بغاوتیں اٹھتیں۔ مذہبی فرقے خون ریزیاں کرتے اور ان ہنگاموں کے درمیان انسان بہ حیثیت انسان بری طرح پامال ہو رہا تھا۔ وہ انتہائی مشتعل کر کے بھی زندگی کی ادنیٰ ضرورتیں پوری کرنے پر قادر نہ تھا، اسے مظالم کے کولہو میں پیلا جاتا تھا، مگر تشدد کی خوفناک فضا میں وہ صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتا تھا، وہ تلخ احساسات رکھتا ہوگا، مگر اسے ضمیر کی آزادی کسی ادنیٰ درجے میں بھی حاصل نہ تھی۔ (۵۰) اس کی مایوسیوں اور نامراد یوں کا آج ہم مشکل ہی سے تصور کر سکتے ہیں کہ وہ ماحول کے ایک ایسے آہنی قفس میں بند تھا جس میں کوئی روزن کی طرف نہیں ٹھکتا تھا۔ اس کے سامنے کسی امید افزا اعتقاد اور کسی فلسفہ یا نظریہ کا جگنو تک نہیں چمکتا تھا، اس کی روح چیختی تھی، مگر پکار کا کوئی جواب کسی طرف سے نہ ملتا تھا۔ کوئی مذہب اس کی دھگیری کے لئے موجود نہ تھا۔ کیونکہ انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات تحریف و تالیف کے ہمارے گم کی جابجلی تھیں، اور باقی جو شے مذہب کے عنوان سے پائی جاتی تھی اسے مذہبی طبقوں نے متاع کاروبار بنالیا تھا، کسی طرف کوئی روشنی نہ تھی، جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان حالات کے ایک آہنی قفس میں بند ہو جاتا ہے اور اسے کسی طرف سے نجات کا راستہ دکھائی نہیں دیتا تو تمدنی بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ خوفناک ترین بحران کا ایک عالمگیر دور تھا۔ (۵۱) جس کی اندھیاریوں میں ہمیں انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹھل یا یک ابھرتی ہے اور وقت کے تمدنی بحران کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر ہر طرف اجالا پھیلا دیتی ہے۔ (۵۲)

پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اعتقاد، کسی نظریہ اور کسی نقطہ فکر کے بغیر

اصلاح و تعمیر کا کام یونہی شروع نہیں کر دیا۔ محض ایک مبہم جذبہ نہ تھا، کوئی جنون خام نہ تھا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون و مکان کی عظیم ترین سچائی کی مشعل لے کر اٹھے، انتہائی حساس قلب کے ساتھ برسوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے معنے پر کاوشیں کی تھیں، غار حرا کی خلوتوں میں مدتوں اپنے اندرون کا بھی مطالعہ کیا اور بیرونی عالم پر بھی غور کیا۔ اللہ رب العزت کی نازل کردہ عظیم الشان کتاب اور اس کی تعلیم و تربیت کا موضوع انسان ہے۔ دعوت دین کے لئے سرگرداں افراد کا محور و مرکز بھی انسانوں تک اس تعلیم کو پہنچانا ہے۔ (۵۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال انقلاب انسانی دلوں کی تبدیلی سے شروع ہوا تھا جس نے سوچ کے زاویے تبدیل کر دیئے تھے، نفع و نقصان سے لے کر کامیابی و ناکامی کے معیار تک کو نئے معنوں سے روشناس کر دیا۔ وہ دل جو کفر کے کھمبے خبیثہ کی وجہ سے سخت اور بخر تھے ایمان کے بیج کی حرارت سے نرم و گداز ہو گئے۔ (۵۴) رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی انعاموں سے محبت اور ان کی خدمت کے لئے مشہور تھے۔ بار نبوت کو اٹھانے میں اس صلاحیت اور خصوصیت نے آپ ﷺ کو بڑی مدد پہنچائی، بلکہ یہ کہا جائے کہ قدرت نے کار نبوت کو انجام دینے کے لئے آپ ﷺ کا انتخاب کرنے سے پہلے آپ ﷺ کے اندر انسانی خدمت کا جذبہ اور ملکہ کامل طور پر پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب آپ ﷺ پر قرآنی آیات نازل ہوئیں تو اس وقت آپ ﷺ غار حرا میں غور و فکر میں تھے۔ فرشتے سے پہلے ملاقات اور پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ سردی سے کانپتے ہوئے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پورا ماجرہ سنایا۔ یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ”ہرگز نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، کیونکہ آپ ﷺ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت کے دنوں میں متاثرہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔“ (۵۵) یعنی آپ ﷺ انسانوں کی

جتنی بے لوث خدمت کرتے ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو رسوا نہیں کرے گا، بلکہ ان کی سعادت کے لئے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا۔ نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دوہری ذمہ داری عائد ہوگئی۔ ایک انسانوں کی خدمت کی اور دوسری ان کی ہدایت اور سعی نجات کی۔ نبوت سے پہلے صرف انسانی خدمت آپ ﷺ کی پہچان تھی، نبوت کے بعد خدمت اور ہدایت دونوں آپ ﷺ کی پہچان بن گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انسانوں کی روحانی مشکلات حل کرنے اور اخلاقی برائیوں کی اصلاح کا بیڑا ہی نہیں اٹھایا، بلکہ انسان کی سماجی اور معاشی مشکلات کو دور کرنے کی بھی سعی کی، اور انسانی معاشرے کے رنج و غم کو سکھ اور مسرت میں تبدیل کرنے کی کامیاب جدوجہد کی۔ انسانی سماج میں طاقتور اور کمزور، امیر و غریب، مختار اور محتاج دونوں طرح کے لوگ رہتے ہیں اور دونوں کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرد کی اصلاح کرتے ہیں اور دونوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اگر رسول انسانوں کی روحانی دنیا آباد کرے اور مادی دنیا کو اجڑ جانے دے، اخلاقی حالت کو درست کرے اور سماجی زندگی کو الجھنوں میں مبتلا رہنے دے، عبادت پر زور دے اور سماجی حقوق کو نظر انداز کر دے تو یہ مذہب ناقص ہوگا اور اس کی انسانوں کو چنداں ضرورت نہ ہوگی، (۵۶) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ضروریات کی تکمیل کے لئے مذہب کا ایک کامل نمونہ پیش کیا جس نے اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور انسانوں کی خدمت دونوں کو یکساں جگہ دی، جیسا کہ قرآن کریم نے وضاحت فرمائی:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۖ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَأَبَى السَّبِيلِ ۚ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۚ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ

وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ط أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ط وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُونَ ○ (۵۷)

کوئی بھی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور سب کتب ساویہ پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے اور باوجود مال کی محبت اور احتیاج کے قربت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سائلوں کو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں مال دیتا ہو اور نماز کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب عہد لیں اور جو تہذیبی میں اور بیماری میں لڑائی کی سختی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہوں یہی سب لوگ وہ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

اس آیت میں تفصیل سے نیکی اور دین داری کا تصور بیان کیا گیا ہے۔ اس میں جہاں ایمانیات پر زور ہے، عبادات کی تلقین ہے، اخلاقی اصولوں کا تذکرہ ہے، وہاں انسانوں کی خدمت، ان کے دکھ درد میں شرکت اور ان کی حاجت روائی کی اہمیت بیان کی گئی ہے، یہ مذہب کی روح ہے، اس کا خیر اور جوہر ہے، اگر مذہب سے ایمانیات اور عبادات کو خارج کر دیا جائے تو مذہب ثقافت و رواج پر مبنی سماجی تنظیم یا کچلرل انجمن بن کر رہ جائے گا اور اگر انسانی خدمت کو نظر انداز کر دیا جائے اور ان کی مشکلات کا مداوا نہ کیا جائے تو مذہب بے جان رسوں کا ڈھانچا بن جائے گا یا بعد اطلیحات کا چھیدہ فلسفہ۔ (۵۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہلی معاشرے میں حقیقی خدا پرستی اور بھی انسانی خدمت کی تحریک برپا کی تو مشرکوں نے جہاں اس بات کی مخالفت کی کہ ان گنت دیوتاؤں کی جگہ صرف ایک خدائے وحدہ لا شریک کی پرستش کی جائے وہاں اس بات کی بھی مخالفت کی کہ غریبوں اور ناداروں پر اپنا مال خرچ کیا جائے اور بغیر کسی معاوضے اور صلے کے ان کی خدمت کی جائے۔ وہ مال داری اور ناداری کو

مقدرات سمجھتے تھے اور ناداروں کی حالت سدھارنے کی کوشش کو نادانی اور گمراہی سے تعبیر کرتے تھے۔ قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انسانی کے مقابلے اور جواب میں مشرکین کے غیر انسانی رویے کا ان لفظوں میں تذکرہ کیا گیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِعُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْطَعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِئُ
ضَلَالٍ مُبِينٍ ○ (۵۹)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں: ہم کیوں کھلائیں ایسے لوگوں کو کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کو خود کھلاتا تم لوگ صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جو تعلیم دی اس کا مرکزی نکتہ یہ تھا: ”بھوکوں کو کھانا کھاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو، اور قیدیوں کو رہا کراؤ“ (۶۰) حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے تعبیر کیا، حقوق کی خدمت کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ قرار دیا، اور جہنم سے آزادی اور جنت کے حصول کا ذریعہ بتایا۔ مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں یہ تعلیم ریڑھ کی ہڈی کی طرح اہمیت رکھتی ہے۔ اگر انسانوں کی خدمت نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسی کھائی ہے جسے پار کئے بغیر رضوان الہی کی بلندی تک پہنچا نہیں جاسکتا۔ قرآن کریم نے وضاحت کی:

فَلَا تَتَخَمَّ الْعُقْبَةُ ○ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْعُقْبَةُ ○ فَكُ رَحْمَةً ○ أَوْ
إِطْعَامُ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْفَرَةٍ ○ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ○ أَوْ مِسْكِينًا
ذَا مَقْرَبَةٍ ○ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالْعِصْرِ
وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ○ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمِمْمَنَةِ ○ (۶۱)

اس نے دشوار گزار کھائی پار نہ کی، تمہیں کیا معلوم کہ کیا ہے وہ دشوار گزار

گھاٹی، کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقہ کے دن کسی رشتہ دار، یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، پھر ان لوگوں میں شامل ہونا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور انسانوں پر رحم کرنے کی تلقین کی۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے کنبے سے تعبیر کیا ہے، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب وہ بندہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ حسن سلوک کرے۔“ (۶۲) یعنی انسانوں سے محبت اور ان کی خدمت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار بندوں کی خدمت کی شکل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی علامت یہ بیان کی گئی ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝ (۶۳)

وہ کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو، (ان کا کہنا ہے کہ) ہم تم کو اللہ کی رضا کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری، ہم تو اپنے رب سے اداسی والے دن کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دونوں

انگلیاں۔“ (۶۴)

یہ تعلیم انسانی خدمت کے محرک اور مقصد کو واضح کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ بندوں کی خدمت سے گزرتا ہے۔ جو اس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے، اسے یہ راستہ اختیار کرنا ہوگا، ورنہ وہ منزل سے دور ہو جائے گا۔ (۶۵) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے جہاں انسانی خدمت کے میدان و اطراف کا پتا چلتا ہے، وہاں انسانی خدمت میں کارفرما عوامل اور عناصر ترکیبی کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ اگر ان عناصر کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو انسانی خدمت کا عمل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ عناصر ہیں اکرام، انصاف اور ایثار۔ اکرام کا مطلب ہے کہ انسان کے ہر فرد اور ہر گروہ کو خواہ وہ کسی طبقے، کسی علاقے، کسی رنگ اور کسی نسل اور کسی بھی ذات و برادری سے تعلق رکھتا ہو، محترم سمجھنا اور عزت دینا، اسے کم تر اور حقیر نہ سمجھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو محترم بنایا ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس ہدایت کو دہرایا گیا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ
مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِيلًا ۝ (۲۶)

ہم نے آدم کی اولاد کو محترم بنایا ہے اور خشکی اور دریا میں سواری عطا کی ہے اور ہم نے اس کو پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور جن مخلوقات کو ہم نے پیدا کیا ہے، ان میں سے بیش تر پر اسے فضیلت بخشی ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ (۶۷)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔

تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی اللہ تعالیٰ کی رضا سے حاصل ہوتی ہے:

اللہ تعالیٰ کی رضا کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایک جانیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو اسی کے لئے مختص کریں، جیسے خالق، مالک، رازق، مدبّر، رحمن، رحیم، قیوم وغیرہ صفات اسی کے شایان شان ہیں۔ قرآن شریف میں بے شمار مواقع پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ کوئی بھی مخلوق ان صفات

کی تحمل نہیں ہو سکتی، جیسے سورہ حشر کی یہ تین آیات:

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ
الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ
السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهِمِّنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ
عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِءُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ
الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ۝ (۶۸)

وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمن اور رحیم ہے، وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سر اسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بہ زور نافذ کرنے والا اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لئے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے، اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ہی قانون ساز تسلیم کرنا، اسی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا، یہ سب اسی اخلاص کے مظاہر ہیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے سے فقرے میں یوں بیان کیا ہے کہ: ”میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوا“۔ (۶۹) یعنی اس اقرار کے بعد اگر پوری دنیا میری مخالف ہو جائے تب بھی میں اس عہد سے نہ پھروں گا، اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبودوں کا انکار ہے، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرنے کے بعد جو کیفیت ایک بندے کی ہوتی ہے اس کا بیان اس آیت میں ہوا ہے:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ ۝ (۷۰)

بے شک میری نماز، اور میرے تمام مراسم عبودیت، مرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

یہ تمام اعمال ادا کرتے ہوئے اسے کسی اور کی خوشی اور رضا مطلوب نہیں ہوتی، اسے کسی کے انعام و اکرام کا لالچ نہیں ہوتا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر کسی کی محبت کو ترجیح نہیں دیتا۔ گویا اس کی زندگی کا لمحہ لمحہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں گزرتا ہے۔ تمام معاملات میں وہ اپنی خواہشات کا پیرو نہیں ہوتا، بلکہ اس کے رب نے جس چیز کے کرنے کا حکم دیا ہے اس پر بغیر کسی لیت و لعل کے عمل کرتا ہے اور اس کے رب نے جس چیز سے بھی روکا ہے اس سے رک جاتا ہے جیسا کہ فرمایا:

قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْتُ - قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۷۱)

جب اس کے رب نے اس سے کہا: ”مسلم ہو جا“ تو اس نے فوراً کہا: ”میں مالک کائنات کا مسلم ہو گیا۔“

اگر کسی کے اندر واقعی یہ کیفیت پیدا ہو تو یہی دراصل اللہ کے لئے نصیح اور خیر خواہی

ہے۔

تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی قرآن کریم کے ذریعہ ممکن ہے:

سب سے پہلے اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ فرشتے کے ذریعے اپنے پیغمبر آخرا الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ اس میں کسی طرح کی کوئی ٹیڑھ نہ رکھی:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ
عِوَجًا (۷۲)

تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی
اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہ رکھی۔

اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی چیز انسانوں کی ہدایت کے لئے
نازل ہوئی تو وہ یہی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے تمام احکام کو بے چوں و چرا
تسلیم کیا جائے، اور ان میں تھوڑی سی بھی تبدیلی کو گوارا نہ کیا جائے۔ اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی
کوشش کی جائے، اس کو یاد کیا جائے، اس کی حقیقی دعوت کو عام کیا جائے، اس کے احکام سے
انسانوں کو آگاہ کیا جائے، اور ان کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا جائے۔ اگر صرف کتاب اللہ کی
تلاوت کی جائے اور اس کے بقیہ حقوق سے سبکدوشی اختیار کی جائے یا اس کو چھوڑ کر انسانوں
کی لکھی ہوئی کتابوں کے ساتھ اتنی عقیدت برتی جائے کہ کلام اللہ کی عقیدت ماند پڑ جائے تو یہ
قرآن کریم کے ساتھ خیر خواہی نہیں بلکہ زیادتی ہے۔ انھی لوگوں کے بارے میں قیامت میں
کہا جائے گا:

وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ إِنَّا قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ
مَهْجُورًا (۷۳)

اور رسول (ﷺ) کہے گا کہ اے میرے رب، میری قوم ~~کے لئے~~ لوگوں نے
اس قرآن کو نشاۃ تضحیک بنا لیا تھا۔

تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی سیرت طیبہ ﷺ کے ذریعہ ممکن ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول
تسلیم کیا جائے، آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر صدق دل سے ایمان لایا جائے، اور آپ ﷺ
کے لئے دین کی حفاظت کے لئے ہمیشہ تیار رہا جائے۔ ان لوگوں کو دشمن سمجھا جائے جو

اللہ کے ساتھ دشمنی کرتے ہوں اور ان لوگوں کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کئے جائیں جو اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل و جان سے محبت کرتے ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر کی جائے، آپ ﷺ کے خلاف لگائے جائے، والے الزامات و اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ دراصل یہ تمام چیزیں آپ ﷺ (خیر خواہی کے اجزا ہیں۔ آپ ﷺ کے علوم کی نشر و اشاعت کرنا اور ان میں غور و فکر کرنا، لوگوں کو اس کی طرف بلانا اور ان کو سیکھنا اور سکھانا اور خاموشی کے ساتھ سننا بھی اس میں شامل ہے۔ آپ ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کرنا اور جو شخص آپ ﷺ (الائی ہوئی شریعت میں بدعت کا مرتکب ہو رہا ہو اس سے لاتعلقی کا اظہار کرنا بھی اسی کے ماہر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی محبت کو تمام محبتوں پر غالب رکھنا کمال ایمان اور کمال اخلاص کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی مومن نہیں ہے جب تک کہ میں اسے اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“ (۷۴) آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے جو شخص کسی حکمران کو کسی چیز کی نصیحت کرنا چاہے تو علانیہ اس کا اظہار نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تنہائی میں نصیحت کرے۔ اگر اس نے قبول کی تو بہتر، ورنہ تم نے اس کے بارے میں اپنی ذمہ داری ادا کر ہی دی۔“ (۷۵) وہ حکمران جو سیکولر نظام اور کفار کے آلہ کار اور ان کی مرضی کے مطابق چلنے والے ہوں، ان کا حکم یہ ہے کہ ان کی سخت اور علانیہ مخالفت کی جائے، انہیں روکا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے بدل دے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو دس سے، یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔“ (۷۶) ایک اور حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو انگوں کے عمل کی سزا اس وقت تک نہیں دیتا جب تک ان میں یہ غلط رواداری پیدا نہ ہو جائے کہ بدی اپنے سامنے ہوتے ہوئے دیکھیں اور اس کو روکنے کی قدرت رکھتے ہوں مگر نہ روکیں۔“ (۷۷) حضرت کعب بن جرحہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں تمہیں بے وقوفوں کی حکمرانی سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ حکمران ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ جو ان کے پاس جائے گا اور ان کے جھوٹ میں ان کی اعانت کرے گا وہ مجھ سے نہیں اور وہ میرے حوض پر میرے پاس نہیں آئے گا، اور جو ان کا ساتھ نہ دیں، ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق نہ کریں اور ان کے ظلم میں ان کے ساتھ تعاون نہ کریں تو یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے، یہ میرے حوض پر میرے پاس آئیں گے۔“ (۷۸)

آپ ﷺ کا قائم کردہ مکتبہ تعلیم و تربیت:

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلا مکتب صفہ ہے، (۷۹) جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قائم فرمایا، صفہ کے لغوی معنی ساتبان کے ہیں۔ جب قبلہ بجائے بیت المقدس کے کعبہ ہوا تو مسجد النبی ﷺ کے پہلے چھت کے نیچے طلباء کی سکونت گاہ بنی۔ اس چھت کو صفہ کہتے ہیں اور یہاں کے مکین طلباء کو اصحاب صفہ کہا۔ (۸۰) صفہ رہائشی مکتب تھا، یہ اسلام کی پہلی یونیورسٹی ہے، اس مدرسہ سے عصر حاضر کے مدرسے مقابلہ نہیں کر سکتے، اس کا عالم ہی اور تھا، یہاں علم اور فقر دونوں کی قوی اور عملی تعلیم دی جاتی تھی، اصحاب صفہ کا اکثر وقت معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں گزرتا تھا۔ یہ اصحاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض سے ہر وقت بہرہ مند ہوتے تھے۔ ان کی تعلیم قرآن کریم، تفسیر، حدیث اور فقہ تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ جو کچھ پڑھتے تھے ان کی عملی تربیت بھی حاصل کرتے تھے۔ (۸۱) صفہ کی یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے زوریم اور سامانِ راحت کی حاجت نہ تھی، فقر ہی اصحاب صفہ کا سرمایہ تھا۔ (۸۲) مطلب یہ نہیں کہ وہ گداگری کرتے تھے یا دیگروں کے دستِ کرم کے منتظر رہتے تھے، نہیں! بلکہ ان حضرات سے جہاں تک ہو سکتا محنت مزدوری کرتے تھے اور جو اجرت ملتی اس سے

زندگی کی بنیادی ضرورتیں مہیا کرتے تھے۔ ان ضرورتوں کی فہرست یہ ہے: روکھی سوکھی روٹی اور پٹھا پرانا لباس، ان کا لباس بالعموم ایک چادر یا ٹاٹ وغیرہ پر مشتمل ہوتا تھا، جو ٹخنوں تک بدن کو ڈھانپنے رکھتا تھا، بارہا فاقے گزر جاتے۔ بعض دفعہ بھوک سے اس قدر ٹنڈا ہوتے کہ عین حالت نماز میں گر جاتے تھے، ناواقف لوگ ان کی ہیئت دیکھ کر گمان کرتے کہ دیواے ہیں، یہ نیک نہاد بندے بے شک ظاہر بین نگاہ کے لئے دیوانے تھے، لیکن سچ پوچھو تو علم و حکمت کے خزانے تھے۔ (۸۳) جو آدمی خود کو اپنے نصب العین میں گم کر دے وہ بعض لحاظ سے دیوانہ نظر آتا ہے۔ اصحاب صفہ نے خود کو علم کے شوق میں محو کر رکھا تھا، اس لئے مجذوب نظر آتے تھے۔ انہوں نے علم و حکمت کے دائرے کو دور دور پھیلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نو مسلم قبیلوں میں تعلیم مسائل کے لئے روانہ فرماتے تھے۔ اصحاب صفہ کی جان خطرہ میں رہتی تھی، تاہم یہ اللہ کے بندے سہیلی پر رکھ کر فرائض ادا کرتے تھے۔ ان مہمات میں کئی اصحاب صفہ شہادت کا جام نوش کر گئے۔ (۸۴) اصحاب صفہ صرف راہِ علم کے مسافر نہ تھے بلکہ میدانِ جہاد کے غازی بھی تھے۔ غزوات اور مہمات میں حصہ لیتے تھے اور سپاہیانہ جوہر دکھاتے تھے۔ کرنے کے لئے اساتذہ کے پاس بھیجتے تھے، کاروباری اصحاب اگر فقہی مسائل سے آگاہ نہ ہوں تو عین ممکن ہے کہ وہ کمائی کے ناجائز ذرائع اختیار کر لیں۔ (۸۵)

تعلیم و تربیت کا ذریعہ مسجد ہے:

رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس گاہ عام طور پر مسجد ہی ہوتی تھی۔ مسجد النبی صرف عبادت کی جگہ نہ تھی قومی صلاح و مشورہ کا ایوان بھی تھی۔ فرزندِ انِ اسلام کی آئے دن کی زندگی کے فیصلہ طلب امور یہیں پیش ہوتے تھے۔ شارعِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت بھی یہیں لگتی تھی، خلافت راشدہ کے ایام میں بلکہ بہت بعد تک یہی دستور رہا، آج بھی ملت اسلامیہ کے اجتماعی امور کے بارے میں غور و خوض کا ٹھکانہ بارہا مسجد ہی قرار پاتی ہے۔ یہ حقائق ہمیں درس دیتے ہیں کہ شارعِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں مسجد النبی ﷺ میں نشست و

برخاست کے جو آئین و آداب تھے وہی آج بھی ہماری عمومی مجلسوں کے لئے بمنزلہ ہدایت ہیں۔ یہ تو عملی نظیریں ہیں، اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی ارشادات کا بھی خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ (۸۶) اسلام میں مجلسی زندگی کی اولین تربیت گاہ مسجد ہے، مسجد میں اہل اسلام کو دیگر بے شمار فوائد کے علاوہ نشست و برخاست کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں صاف بدن اور ستھرے لباس کے ساتھ آنے کا حکم ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی یہ احساس جاگتا ہے کہ اب میں ایک ظاہری اور باطنی ضبط کے مقدس دائرہ میں داخل ہو گیا ہوں، مسجد میں جو آدمی پہلے آ کر جہاں بیٹھ جائے وہی اس جگہ کا حق دار ہوتا ہے۔ اسے کوئی دوسرا وہاں سے اٹھا نہیں سکتا۔ بعد میں آنے والے اصحاب درمیان خالی جگہ دیکھیں تو وہاں جا کر بیٹھ سکتے ہیں، ورنہ صفوں کے اخیر ہی میں جہاں ان کو جگہ ملتی ہے بیٹھ جاتے ہی، یہاں امیر و غریب کے درمیان محل و مقام کی کوئی تمیز نہیں ہوتی، خواجہ و خادم اور حاکم و محکوم سب ایک ہی صف میں دوش بہ دوش نظر آتے ہیں۔ باہر سے کوئی صاحب جاہ یا صاحب ثروت شخص آئے تو کوئی آدمی تعظیم کو نہیں اٹھتا، نہ اس کے لئے موزوں مقام کی تلاش ہوتی ہے، جہاں اسے ٹھکانا ملتا ہے خاموشی اور تواضع سے بیٹھ جاتا ہے۔ مسجد میں پیاز اور لہسن کی طرح بدبودار چیز کھا کر جانے کی اجازت نہیں۔ (۸۷) کیونکہ ان کی بدبو سے ہم نشینوں کو زحمت ہوتی ہے۔ مسجد میں تھوکن منع ہے۔ لغو، بے مقصد اور بے ہودہ گفتگو، اجازت نہیں، شور و شغب حرام ہے۔ سوائے ضروری گفتگو یا ذکر الہی کے خاموشی کی پرسکون فضا طاری رہتی ہے۔ نماز کے دوران میں دل کی رغبت کے ساتھ امام کی وفادارانہ اطاعت رہتی ہے۔ وہ جب خطبہ دیتا ہے تو سامعین نظم و ضبط کی مورچیں بنے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ مقرر کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی ان سانہ نہ جائے۔ سوال کرنا ہو تو انتہائی ادب اور شائستگی سے کیا جاتا ہے کہ نہ اس میں لغویت کا شائبہ ہو اور نہ عدم تعظیم کا سیو نکلتا ہو، الفرض صحن مسجد میں مجلسی آداب کا تقریباً ہر شعبہ سامنے آ جاتا

تربیت کی بنیادیں سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

سادگی کی تعلیم اور عمل کے ذریعے تربیت:

آپ ﷺ کی طبیعت میں بڑی سادگی تھی، آپ ﷺ سادہ لباس پہنتے، سادہ کھانا کھاتے اور سادہ طریقے سے رہتے سہتے، جو سامنے آ جاتا کھا لیتے تھے، پہننے کے لئے جو ملتا پہن لیتے، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے، آپ ﷺ کو تکلف سخت ناپسند تھا۔ (۸۹) آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کے لئے بدن ڈھانکنے کو ایک کپڑا اور پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی کافی ہے۔ (۹۰) آپ ﷺ کا عمر بھر اس پر عمل رہا، بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ہمیشہ کپڑوں کا ایک جوڑا رہا، دوسرا کبھی نہ ہوا، ایک بار آپ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ کیا تمہیں برا نہ معلوم ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔ (۹۱) ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ بی بی عائشہؓ نے چھت میں کپڑا لگا رکھا ہے آپ ﷺ نے اسے پھاڑ ڈالا اور فرمایا اینٹ پتھر کو کپڑے پہنانے سے کیا فائدہ، آپ ﷺ اپنے ساتھیوں میں ملے جلے رہتے، اپنے آنے پر ان کو کھڑا ہونے سے منع کرتے، اپنا کام آپ ہی کر لیتے کسی اور کو تکلیف نہ دیتے، اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے، گھر میں جھاڑو خود دے لیتے، بازار سے خود ہی سودا سلف لے آتے، آپ ﷺ کو کسی کام سے عار نہ تھی۔ (۹۲) ایک دفعہ سفر میں تھے کہ کھانے پکانے کی ضرورت پڑی، آپ ﷺ کے ساتھیوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا، ایندھن لانے کا کام آپ ﷺ نے اپنے ذمہ لے لیا۔ (۹۳) آپ ﷺ فرماتے مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنے آپ کو تم سے الگ رکھوں یا بڑا جانوں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ساتھیوں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو۔ (۹۴)

اخلاقی تربیت:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے نرم دل خوش مزاج اور اچھی عادتوں والے تھے،

آپ ﷺ کسی کا دل نہ دکھاتے کسی کو برا نہ کہتے، سب سے اچھی طرح ملتے، آپ ﷺ کے ایک صحابی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی، اس لمبی مدت میں آپ ﷺ نے نہ کبھی مجھے ڈانٹا نہ مارا۔ نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، اور یہ کیوں نہ کیا۔ (۹۵) آپ ﷺ نہایت رحم دل اور مہربان تھے، ہر ایک سے آپ ﷺ محبت سے پیش آتے اور جہاں تک ہوتا لوگوں کی درخواستوں کو پورا کرتے، خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے، ایک دفعہ ایک صحابی کی شادی ہوئی ان کے پاس ویسے کے لئے کچھ نہ تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آئے کی ٹوکری مانگ لاؤ، اس دن حضرت عائشہؓ کے پاس اس آئے کی ٹوکری کے سوا شام کے لئے کچھ نہ تھا۔ (۹۶) آپ ﷺ بڑے مہمان نواز تھے، آپ ﷺ کے ہاں کوئی مہمان آتا آپ ﷺ اس کی خاطر کرتے، ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ کے ہاں مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ ہوتا ان کو کھلا دیا جاتا اور پورے گھر کو فاقہ کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ہاں ایک کافر مہمان ہوا، آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ سے پلایا، وہ سیر نہیں ہوا، آپ ﷺ نے دوسری بکری منگائی یہ اس کا بھی دودھ پی گیا، اس طرح سات بکریاں منگوائیں اور جب تک اس کا پیٹ نہ بھرا آپ ﷺ اسے دودھ پلاتے رہے۔ (۹۷) آپ ﷺ غریبوں، یتیموں اور مظلوموں کا بڑا خیال کرتے تھے کسی سے غلطی ہوتی اسے معاف کر دیتے، قرض داروں کے قرض خود ادا کرتے، جس کا کوئی نہ ہوتا اس کا سہارا بننے، کمزوروں کی مدد کرتے، آپ نے دیکھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ دوسروں کے ساتھ کتنا اچھا تھا، پس آپ بھی دوسروں سے ایسا ہی سلوک کریں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مصیبتوں اور تکلیفوں سے نہیں گھبراتے تھے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر سخت سے سخت ظلم توڑے گئے، آپ ﷺ نے کبھی پریشانی ظاہر نہ کی اور آپ ﷺ پہاڑ کی طرح اپنے ارادوں میں مضبوط رہے، آپ ﷺ کی ساری عمر فقر و فاقہ میں گزری، آپ ﷺ کو بڑے سرکش دشمنوں سے پالا پڑا تھا آپ ﷺ کو لوگوں نے بہت ستایا، آپ ﷺ کو سخت سے سخت ہاتھیں سننا پڑتی تھیں، لیکن آپ ﷺ نے یہ سب کچھ بڑے مہربانہ برداشت کیا۔

عجز و انکساری کی تربیت:

عین اس عہد میں کہ لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لوٹنے کا غلام بن کر بھیجے جا رہے ہوں، فاطمہ بنت رسول ﷺ جا کر اپنے ہاتھوں کا چھالا اور سینے کا داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو بچی پیتے پیتے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینے پر پڑ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں اور ادھر ادھر نظر اٹھا کر کا شانہ نبوت کا جائزہ لیتے ہیں، آپ ﷺ ایک کھری چار پائی پر آرام فرما رہے تھے، جسم مبارک پر بان کے نشان پڑ گئے ہیں ایک طرف مٹی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھوئی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کل کائنات تھی، حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر رو پڑتے ہیں، سب دریافت ہوتا ہے عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا مقام ہوگا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ ﷺ بغیر ہو کر، آپ ﷺ کی حالت یہ ہے، ارشاد ہوتا ہے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت (۹۸) ابوسفیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے حریف تھے فتح مکہ کے دن حضرت عباسؓ کے ساتھ وہ اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں کہ رنگ برنگ کی بیوقوفوں اور جنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈتا آ رہا ہے، قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آ رہی ہیں، ابوسفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں وہ حضرت عباسؓ سے کہتے ہیں عباس تمہارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا، عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا ابوسفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔ (۹۹) عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے، اور مذہب کے عیسائی تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آتے ہیں، صحابہؓ کی عقیدت مند یوں اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر ان کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے، کہ محمد ﷺ بادشاہ ہیں یا پیغمبر! دفعتاً مدینے کی ایک غریب لوٹنی آ کر کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضور ﷺ سے کچھ عرض کرنا ہے، فرماتے ہیں دیکھو، مدینے کی جس گلی میں کہو میں تمہاری بات سن سکتا ہوں، یہ کہہ کر

اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔ (۱۰۰) اس ظاہری جاہ و جلال کے پردے میں یہ عجز، یہ خاکساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے۔ گلے سے صلیب اتار ڈالتے ہیں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دیتے ہیں اور سچے دل سے مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (۱۰۱) آپ ﷺ کی مجالس میں آنے والوں کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی، عموماً بدواً اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے۔ خلق نبوی کا منظران مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے۔ آپ ﷺ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں۔ صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمت اقدس میں حاضر ہیں۔ ایک شخص آتا ہے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور حاشیہ نشینوں میں کوئی امتیاز نظر نہیں آتا، لوگور سے پوچھتا ہے ”محمد کون ہے؟“ صحابہ بتاتے ہیں کہ ”یہی گورے سے آدمی جو نیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔“ وہ کہتا ہے ”اے ابن عبدالمطلب! میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا، خفا نہ ہونا۔“ آپ ﷺ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔ (۱۰۲) باتیں ہمہ سادگی اور تواضع، یہ مجالس رعب و وقار اور ادب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و تلقینات کا دائرہ اخلاق، مذہب اور تزکیہ نفوس تک محدود تھا۔ اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں۔ لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے۔ مثلاً یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کا نام کیا ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے، وہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کئے گئے تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا کہ ”جو پوچھنا ہے پوچھو، میں سب کا جواب دوں گا۔“ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا ”رَضِیْفُ الرِّجْلِ“ (۱۰۳) کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا۔ ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا، اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا، بعض اوقات آپ ﷺ لنگھو کرتے ہوتے،

کوئی صحرائین بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعہ آجاتا اور عین سلسلہ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا، آپ ﷺ سلسلہ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ تقریر فرما رہے تھے، ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا، قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ تقریر کرتے رہے، حاضرین سمجھے کہ آپ ﷺ نے نہیں سنا، کسی نے کہا ”سنا“، لیکن آپ ﷺ کو ناگوار ہوا۔ آپ ﷺ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا کہ ”پوچھنے والا کہاں ہے؟“ بدو نے کہا ”میں یہ حاضر ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے“ بولا ”امانت کیوں کر ضائع ہوگی؟“ فرمایا ”جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا“۔ (۱۰۴)

کبھی آپ ﷺ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے، اس سے لوگوں کی جودت فکر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوتا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے پوچھا ”وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے؟ اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے“۔ لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا۔ میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا، لیکن میں کمن تھا اس لئے جرأت نہ کر سکا۔ بالآخر لوگوں نے عرض کی حضور تائیں۔ ارشاد فرمایا ”کھجور“ عبداللہ بن عمرؓ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کر کے اپنا خیال فاہر کر دیا ہوتا۔ (۱۰۵) ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، صحابہؓ کے دو حلقے قائم تھے۔ ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہو رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا دونوں عمل خیر کر رہے ہیں۔ لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔ (۱۰۶)

تربیت کے عناصر ترکیبی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محبت الہی:

راتوں کو سنائے میں اٹھ کر آپ ﷺ کبھی دعا و زاری میں مصروف ہوتے، کبھی

قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت میں خدا سائے دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ (۱۰۷) عبادت شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتوں پر ہوتا تھا۔ جن کی نسبت آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ ”ان کے معاوضہ میں دنیا و مافیہا کی نعمتیں بھی میرے سامنے بیچ ہیں۔ (۱۰۸) ایک دفعہ ایک غزوہ میں کوئی عورت گرفتار ہوئی، اس کا بچہ گم تھا، محبت کا جوش تھا کہ کوئی بچہ مل جاتا تو وہ سینہ سے لگا لیتی، اور اس کو دودھ پلاتی، آپ ﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے؟ لوگوں نے عرض کی ”ہرگز نہیں“ فرمایا: ”تو خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے، جتنی اس کو اپنے بچہ سے ہے“ (۱۰۹) آپ ﷺ محبت الہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو بیچ سمجھتے تھے، وفات سے پانچ دن پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا، اس میں فرمایا: ”میں خدا کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا دوست ہو، کیونکہ اللہ نے مجھے اپنا دوست بنالیا، جس طرح ابراہیم کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابو بکرؓ کو بناتا“ وفات کے وقت زبان مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا وہ یہ تھا: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعْلٰی اللّٰهِ صَرف رفیق اعلیٰ مطلوب ہے یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا: اب آپ ﷺ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں۔ کہے۔ (۱۱۰)

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ:

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اب جیسے ہی یہاں قدم رکھیں ان کی بوٹی بوٹی اڑادی جائے (نعوذ باللہ)، حضرت فاطمہؓ ان کی یہ تقریر سن رہی تھیں، وہ روتی ہوئی آپ ﷺ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو تسکین دی، اور وضو کے لئے پانی مانگا، وضو کر کے آپ ﷺ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہو گئے۔ جب خاص صحن حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو خود بخود ان کی نگاہیں جھک گئیں۔ (۱۱۱) شب

ہجرت گھر کے چاروں طرف دشمنان قریش محاصرہ کئے ہوئے تھے، لیکن آپ ﷺ نے اذن الہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا اس وقت سورہ یسین کی ابتدائی آیتیں زبان مبارک پر تھیں۔ جن میں نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہے۔ مکہ سے نکل کر آپ ﷺ نے مع حضرت ابو بکر صدیق کے غار ثور میں پناہ لی، قریش میں خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا، اور اس لئے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہوگا، وہ آپ ﷺ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اسی غار کے پاس پہنچ گئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پر خطر حالت میں کسی کے حواس درست رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑے گی، لیکن آپ ﷺ نے روحانیت کی پرسکون آواز میں فرمایا: ”ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو۔“ (۱۱۲) پھر جیسا کہ قرآن کریم میں ہے فرمایا: لا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ غزوہٴ نجد سے واپسی میں آپ ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا، یہاں بہت سے درختوں کے جھنڈ تھے۔ دوپہر کا وقت تھا، صحابہؓ درختوں کے سایہ میں ادھر ادھر سو رہے تھے۔ آپ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے تبا..... استراحت فرما رہے تھے، آپ ﷺ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی، کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا، چپکے سے آیا اور آپ ﷺ کی تلوار نیام سے باہر کی اور آپ ﷺ کے سامنے آیا کہ وقعتہ آپ ﷺ ہشیار ہوئے دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے۔ بدو نے پوچھا: ”اے محمد ﷺ! اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟“ ایک پراطمینان صدا آئی ”اللہ!“ ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا، کہ یہ آپ ﷺ پر حملہ کی گھات میں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کو چھوڑ دو کہ یہ قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا۔“ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔ خیبر میں جس یہودیہ نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا اس سے آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ: ”تم نے یہ حرکت کیوں کی؟“ اس نے جواب دیا کہ: ”آپ ﷺ کے قتل کرنے کے لئے“

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”خدا تم کو اس پر مسلط نہ کرتا۔“ (۱۱۳)

صبر و شکر:

رنج و غم کس کی زندگی میں نہیں آتے، لیکن انسان کے روحانی کمال کا جو ہر یہ ہے کہ ایک طرف حصول مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور از خود رفتہ نہ ہو تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تنگی کو خندہ چینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کر لے اور یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے، کامیابی اور ناکامی کا سرشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ترجمہ): جتنی مصیبتیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوان قضائیں لکھ دی گئی ہیں۔ یہ بات خدا کے لئے آسان ہے، یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ تم ناکامی پر غم اور حصول مقصد پر فخر نہ کرو۔ خدا مغرور اور محارب کو دوست نہیں رکھتا۔ (۱۱۴) مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور تاز سے بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن مکہ و خیبر کا فاتح اس وقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ ﷺ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر توقف کیا تاکہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکالیں۔ پھر یہاں تک آپ ﷺ جھکے کہ آپ ﷺ کی ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔ (۱۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے عبادت اور تسبیح و تحمیل کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! خدا تو آپ ﷺ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا، اب آپ ﷺ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں، ارشاد ہوا:

أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا (۱۱۶)

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

یعنی یہ تسبیح و تحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لئے تھی تو اب اس مرتبہ کے عطیہ و

حصول پر شکرگزاری اور احسانمندی کے اعتراف میں ہے، دنیا کے اعظم رجال جن کو روحانیت کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا، اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوت بازو، اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب و اب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن مقررین الہی کی اصطلاح میں یہ تخیل شرک و کفر کے ہم پایہ ہے، ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر قادر کل کا دست غیر موئی کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، حدیث میں آیا ہے (۱۱۷) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے آپ ﷺ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ (۱۱۸) اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات پر آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ ﷺ فوراً سجدہ الہی بجالائے۔ (۱۱۹) وحی کے ذریعہ جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا اس پر خدا درود بھیجے گا تو اس رفیع منزلت پر آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ (۱۲۰) حضرت سعد بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور راستے میں ایک مقام کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر گئے، اور دیر تک اسی حالت میں پڑے رہے، پھر سر اٹھا کر بدستور دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے، اور پھر دیر تک سجدے میں رہے، اور اس کے بعد جبین نیاز خاک پر رکھی، اس دعا و تہجد سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”میں نے اپنی امت کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا، میں شکر کے لئے سجدے میں گرا، پھر مزید درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے وہ بھی قبول کی، میں سجدہ شکر بجالایا اور پھر دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی درجہ قبولیت بخشا اور پھر میں سجدہ میں گر پڑا۔“ (۱۲۱) صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں یہ دونوں متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے۔ اور آپ ﷺ کو عملاً دونوں کے اظہار کا موقع ملا۔ حدیث شریف میں ہے ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ: ”یا رسول اللہ ﷺ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟“ ارشاد ہوا کہ: ”پیغمبروں پر پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگوں پر۔“ (۱۲۲) واقعات بھی اس روایت کی تصدیق

کرتے ہیں، آپ ﷺ سردار انبیاء تھے، اس بنا پر دنیا کے شدائد و مصائب کا بار اس مقدس گردہ میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کے دوش مبارک پر تھا، اسی لئے قرآن مجید میں بار بار آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے، سورہ احقاف میں ہے:

وَاصْبِرْ لِمَا صَبَرَ أُولُو الْعِزْمِ مِنَ الرُّسُولِ (۱۲۳)

(اے پیغمبر!) جس طرح اولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔

مسلمانوں کے نظام تربیت پر غیر مسلم مفکرین کی آراء

مہاتما گاندھی:

میں نے پیغمبر اسلام اور آپ ﷺ کے صحابہ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اسلام کے متعلق جس قدر بھی مطالعہ کیا ہے اس سے مجھے پختہ یقین ہو گیا ہے کہ اسلام کی ترقی و اشاعت میں تلوار ہرگز کام نہیں کر رہی تھی، بلکہ اس کی تعلیم اور تجربہ تھا، جس نے اس عہد کی زندگی میں اسلام کی ضرورت کو تسلیم کرایا۔ سب سے زیادہ جس چیز نے اثر کیا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ کس قدر سادگی ہے اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں گم کر کے آپ نے کیسا عملی پروگرام دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اخلاق عامہ، ہمدردی، بنی نوع انسان، احباب و متعلقین کے ساتھ آپ کی گہری محبت و مودت، بے خوفی، خدا ترسی، بھروسہ اور اپنا کامیاب مشن ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے اسلام کو دنیا کی نظروں میں وقیع بنادیا اور پیغمبر اسلام کی خوبیوں اور کمالات و احسان کا ہر ایک قائل ہو گیا۔ صرف اور صرف یہی چیزیں تھیں نہ کہ شمشیر جس نے دنیا کی ہر مشکل پر عبور حاصل کر کے اسلام کا پرچم لہرایا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ جنوبی افریقہ کے یورپین لوگ جنوبی افریقہ میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے خیال اور تصور سے بہت خوف زدہ ہیں۔ اسلام وہ مذہب ہے جس نے دنیا کو تہذیب اور علمی کلچر کا نصب العین سمجھایا، جس نے اندلس و اسپین میں یورپی تمدن کو سنوارا، اور جس نے مراکش سے لے کر پیرس تک شمع علم روشن کر دی، اور جس نے سارے جہان کو اخوت اور بھائی

چارہ کی علمی تعلیم دی۔ کیا جنوبی افریقہ کے یورپین ایسے مذہب سے ڈرتے ہیں، ہاں ضرور ڈرتے ہوں گے، کیونکہ ہاں کیونکہ انہیں یہ خدشہ ہے کہ اگر اس ملک میں اسلام پھیل گیا تو وہاں سیاہ فام آبادی گوری قوموں سے مساوات کی طلب ہوگی اور سفید فام لوگوں کی شہنشاہیت دب جائے گی، واقعی ان کا خوف بجا ہے، ان کو یقین ہے کہ اسلام رنگ و نسل کے امتیاز کو قطعی مٹا دے گا، اور جنوبی افریقہ میں یورپین آبادی کے مظالم ختم ہو جائیں گے اور ہر جگہ باہمی مساوات و اخوت کا دور دورہ ہو جائے گا، میں نے خود دیکھا ہے کہ اگر زولو (جشی) عیسائی ہو جائے تو تب بھی وہ عیسائیوں کے ساتھ مل جل نہیں سکتا۔ نہ ان کے ساتھ کھا سکتا ہے، نہ عملی طور پر وہ مسیحی بھیڑوں کے گلے میں شامل ہو سکتا ہے، اس اچھوت پن کو عیسائیت دور نہیں کر سکتی، دور کر سکتا ہے تو صرف اسلام ہی دور کر سکتا ہے، کیونکہ جوں ہی ایک جشی یا کوئی اور کم درجہ کا آدمی مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی رفعت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی وہ بڑے سے بڑے مسلمان کے ساتھ بیٹھ کر کھا سکتا ہے، اور عبادت کر سکتا ہے، اس کا نمونہ عیسائیت اور یورپین شہنشاہیت پیش کرنے سے قاصر ہے، اور اسی لئے جنوبی افریقہ میں یورپین آبادی اسلام کی اشاعت و ترقی سے لرزتی ہے مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا جلوہ تاریک براعظم (افریقہ) میں ضرور پہنچے گا۔ (۱۲۳)

مسٹر ایم ایس: (ہندو ہنما، کانگریسی لیڈر ممبر مرکزی اسمبلی):

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خدا نے عرب کے بادیہ نشینوں کے سامنے جو قدیم زمانہ کے رسم و رواج کی تاریکی میں بھٹکے ہوئے تھے حق و صداقت اور ہدایت کی روشنی پیش کی، آپ ﷺ کی تعلیمات نے تمام قوم میں حیات تازہ پیدا کر دی اور ان میں وہ مجاہد پیدا کئے جنہوں نے تمام دنیا میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔ عہد حاضرہ کی انسانی تہذیب اور ترقی میں مسلمانوں کی مساعی کا بیشتر حصہ ہے، اسلام کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ لغو توہمات اور بے کار رسوم کی بندشیں توڑنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے انسان کو ان بوسیدہ رسوم اور روایات کی

زنجیروں سے آزاد کیا جنہوں نے انسانیت کو تباہ اور برباد کر دیا تھا اور پھر اسلام نے انسان کو اس کے حقیقی خالق سے روشناس کرایا۔ (۱۲۵)

ٹیکور (ہندو مذہب کے بہت بڑے رہنما، شاعر):

اسلام دنیا کے چند عظیم الشان مذاہب میں سے ایک ہے۔ ہندوستان میں جو قومیں آباد ہیں، ان کے مابین مصالحت کی واحد امید اسی چیز پر منحصر نہیں ہے کہ وہ ذہانت کے ساتھ اپنے قومی مفاد کو حاصل کریں بلکہ روحانی فیضان کے اس ابدی سرچشمہ پر منحصر ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے حاملین صداقت کی ناقابل فنا اور امیر سیرتوں سے اہلتا ہے جو خدا کے محبوب اور انسانوں سے محبت و الفت رکھنے والے اور اعلیٰ اخلاق و صفات کے مالک تھے۔ (۱۲۶)

سوامی نرائن:

گیتا میں جیسا کہا گیا ہے کہ خرابیاں حد سے متجاوز ہو جاتی ہیں تو ان کے دور کرنے کے لئے سدھار کوں کا جنم ہوا کرتا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کا جنم عرب میں ہوا اور انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ کو نہایت ریاضت کے ساتھ ختم کر کے وہ قابلیت حاصل کر لی جو مروجہ خرابیوں کے دور کرنے کے لئے انہوں نے ہر مصیبت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور بالآخر عرب کو ان سے پاک کر دیا۔ اور باتوں کے سوا اگر ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ایک اسی بات کو اپنے خیال میں رکھیں تو اسی ایک بات سے اُن کا درجہ دنیا کے بڑے سے بڑے آدمیوں کی صف میں اُن کا شمار کرانے کے لئے کافی تھا میں اسی لحاظ سے ان کی عزت کرتا ہوں۔ (۱۲۷)

پروفیسر اندرجی (آریہ سماج کے رہنما، اخبار ارجن کے مالک):

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ایک ایٹھور داد کے زبردست پرچارک تھے۔ وہ سنسار کی سب سے بڑی پردل سچائی کے ایک پر بھاؤ شالی وکیل تھے۔ متبیہ جاتی کے ایک بڑے حصہ پر اُن کے اپکار کا بوجھ ہے، جس منہ کے ہر دے میں آتمک داد کے لئے تھوڑی

بھی شردھا ہے جو کابلی کے جیون کے ایک شاہ تجوی جیون کو اوہک پرسن کرتا ہے وہ اسلام کے پرورتک کی اسرتی میں بھگتی کے دو پھول چڑھائے بنا نہیں رہ سکتا۔ (۱۲۸)

برنارڈ شاہ:

میں نے ہمیشہ محمد ﷺ کے مذہب کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا ہے، کیونکہ اس کے اندر حیرت انگیز زندگی پائی جاتی ہے۔ میرے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے اندر ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ بلاشبہ دنیا کو چاہئے کہ میرے جیسے بڑے آدمیوں کی پیشین گوئیوں کی از حد قدر و منزلت کرے، چنانچہ محمد ﷺ کے مذہب کی نسبت میری پیشین گوئی یہ ہے کہ امر و زفر، میں یورپ اسی کو قبول کرے گا، اس وقت اس قبولیت کی ابتدا ہو گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا آدمی موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بن جائے تو اسے موجودہ دنیا کی ان تمام الجھنوں کو سلجھا دے میں ایسی کامیابی ہوگی کہ دنیا کو جس امن و شادمانی کی اس قدر ضرورت ہے وہ امن و شادمانی دنیا کو حاصل ہو جائے گی۔ دور حاضر کا یورپ تو بہت ہی ترقی کر گیا ہے لیکن انیسویں صدی میں یورپ نے اتنی ترقی حاصل نہیں کی تھی، اس وقت بھی یورپ کے اندر کارلائل اور گونے اور کہن جیسے ایمان دار مفکرین موجود تھے، جنہوں نے محمد ﷺ کے مذہب کی حقیقی قدر و قیمت پہچان لی تھی اور اس لئے ان کے زمانے سے اسلام کے ساتھ یورپ کے طرز عمل میں ایک خوشگوار تبدیلی شروع ہو گئی تھی، مگر دور حاضر کے یورپ کو محمد ﷺ کے مذہب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نسبت ہوتی جا رہی ہے۔ بیسویں صدی تک یورپ کے قدم اس معاملہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں گے اور یورپ اپنی الجھنوں کو سلجھانے کے باب میں محمد ﷺ کے مذہب کی فائدہ رسانی کو محسوس کرے گا۔ (۱۲۹)

لامارٹائن:

فلسفی، پیغمبر، قانون دان، فاتح، نظریات کو تبدیل کرنے اور علاقوں پر ہی نہیں دلوں کو

فتح کرنے والی عظیم شخصیات میں سے زیادہ عظیم یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے۔ (۱۳۰)

تھامس کیلے:

تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک تھا آدمی نے بگڑے ہوئے قبیلوں اور بدوؤں کی تہذیب کو بدل کر تہذیب یافتہ بنا دیا اور وہ بھی صرف ۲۰ سال کی مختصر مدت میں۔ (۱۳۱)

ایڈورڈ گکین، سائنس دان اور کلمے:

محمد ﷺ ایک انسان تھے، انہوں نے بکھری ہوئی انسانیت کو متحد کیا اور انہیں نیکی اور سچائی کے ساتھ رہنے کا سبق سکھایا۔ (۱۳۲)

مسز سروجنی نانڈو:

مذہب اسلام پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کا سبق سکھایا، یہ سبق مساجد سے دن میں پانچ مرتبہ دہرایا جاتا ہے جس میں نوع انسانی کو فلاح کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اسلام سب کو بھائی چارے کا سبق دیتا ہے۔ (۱۳۳)

پروفیسر ہر گر ونجی:

انجمن اقوام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی، یہ اسلام ہے جو پوری انسانیت کو متحد اور بھائی چارگی کا سبق دیتا ہے۔ دنیا کی اور کوئی قوم یا مذہب انسانیت کو وہ سبق نہ دے سکے جو تھا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ (۱۳۴)

مغربی تعلیم و تربیت کے نقائص

آج دنیا میں مختلف نظریات اور ازموں کی بھرمار نے فضا کو دھنڈلا دیا ہے۔ بے یقینی اور عدم اطمینان کی کیفیت نے انسان کا انسانیت پر اعتماد متزلزل کر دیا ہے۔ لوگ اور معاشرے غموں سے دل گرفتہ اور دکھوں سے آزرده ہیں، جب کہ انسان ہر مادی آسائش کے

باوجود نا آسودہ ہے۔ گو ہر مقصود مفقود، سچی خوشی کا حصول محال اور ایک لمحے کی طمانیت عتقا۔ ہر طرف دہشت و وحشت اور بے یقینی و بے اطمینانی ہے۔ قومیں قوموں سے، فرقے فرقوں سے، طبقے طبقوں سے دست و گریباں ہیں اور کش مکش ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہر شخص خود غرضی میں مبتلا ہے۔ نیکی، شرافت اور اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں۔ آج انسان کی علمی سطح بہت بلند ہو چکی ہے۔ وہ بڑے بڑے خوش نما فلسفے گھڑتا ہے لیکن اس کی تمام تدبیریں ناکام ہو چکی ہیں، انسان کو اللہ کی ہدایت اور اس کے رسولوں کی رہنمائی کی ضرورت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ موجودہ دور کے انسان کی سب سے بڑی مشکل، متفقہ اقدار، کا نہ ہونا، جنہیں سب مل کر تسلیم کر سکیں اور جو انسانیت کے شیرازے کو مجتمع رکھ سکیں اور جو اخوت انسانی کا باعث ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں تصادم اور کش مکش کا ایک طوفان برپا ہے، اور اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ یہ سب سے بڑی گتھی ہے، جس کے حل ہونے پر دوسری گتھیوں کے سلجھنے کا دار و مدار ہے۔

۱۱ ستمبر کی ستم کاریوں کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور امریکہ کی موجودہ قیادت اقتدار اور قوت کے نشے میں عالمی قانون اور روایات، اخلاق اور تہذیب کے تمام مسلمہ ضابطوں کو پارہ پارہ کر کے دنیا میں ظلم، تشدد اور دہشت گردی کا ایک طوفان برپا کر رہی ہے، لیکن اس کا ایک نہایت مکروہ اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر دہشت گردی کی کسی متعین تعریف سے مکمل صرف نظر کر کے دنیا کو ایک نہ ختم ہونے والے تصادم، بے یقینی اور قتل و غارت گری کی جہنم میں دھکیل دیا گیا ہے اور ہر اختلاف، ظلم، نا انصافی اور سامراجی تسلط کے خلاف احتجاج، آزادی اور حقوق کی ہر جدوجہد پر دہشت گردی کا لیبل لگانے کا گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ (۱۳۵) دہشت گردی کی روک تھام کے لئے کوئی معاہدہ اس لئے طے نہیں پاسا کہ سیاسی ترجیحات کے باعث اس کی تعریف مسائل کا شکار رہی۔ اگر ایک نقطہ نگاہ کے مطابق ایک شخص دہشت گرد ہے تو دوسرے نقطہ نگاہ کے مطابق یہ شخص آزادی کی خاطر لڑنے والا ہے، اور یہی وجہ ہے بین الاقوامی قانون کے مطابق اس عمل کا احاطہ نہیں کیا

جاسکا ہے۔ (۱۳۶)

سائرسو Cicero سے لے کر جس نے کہا تھا: ”قتل کرنا ایک نیکی ہے“ یورپ میں ابتری پھیلانے والوں، روس میں بائیں بازو کے انقلابیوں تک اس نوعیت کے لٹریچر کی کوئی کمی نہیں۔ (۱۳۷) گوحتی تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے دفاع میں یہ لٹریچر بھی فی الحقیقت ایک تدبیر سے زیادہ مقام نہیں رکھتا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان سارے علمی اور فلسفیانہ مباحث کا حاصل بھی اس سے مختلف نہیں۔ دہشت گردی بہ نفس نفیس نہ کسی مسئلے کا حتمی حل ہے اور نہ یہ کوئی مستقل نظریہ ہے۔ (۱۳۸) دہشت گردی کی تشریح کے ضمن میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے مرتکب افراد اس کوشش میں ہیں کہ دہشت گردی کو محض ایک تدبیر کے بجائے ایک نظریہ یا اصول کے طور پر پیش کر کے اس مسئلے کو الجھا دیا جائے تاکہ دنیا کے سامنے اس کا کوئی واضح تصور نہ پیش کیا جاسکے وہ دہشت گردی کی جڑیں مسخ شدہ مذہبی رجحانات میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، کیونکہ اس کے سبب دہشت گردی کی حقیقی وجوہات اور اس کے وقوع اور بڑھاوے کا باعث بننے والے فیصلہ کن پالیسی امور کے بجائے اس کا رخ اقدار کے مابین تنازعہ اور تہذیبوں کے ٹکراؤ کے خیالی تصورات کی طرف موڑا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں امریکہ کے نو قد امت پسند از خود صدر بش جو گل افشائیاں کر رہے ہیں وہ بڑی خطرناک اور دنیا کو نہ ختم ہونے والے تصادم اور تباہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اس سلسلے میں evil ideology اور Islamo-fascism کی اصطلاح بڑے خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ (۱۳۹)

ہن ٹنگٹن کے نظریے میں صرف ادھوری حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلاشبہ اسلام اور مغرب دو مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ (۱۴۰) لیکن اس کی یہ بات انتہائی غلط اور گمراہ کن ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے اور ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے کے لئے آپس میں جنگ کرنی چاہئے۔ (۱۴۱) ایک دوسرے سے مختلف ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دوسرے سے ضرور جنگ کی جائے۔ جھگڑا اور فساد تب پیدا ہوتا

ہے جب زیادہ طاقت و رفرد یا قوم، اپنی بالادست قوت کے ذریعے دوسروں پر اپنی اقدار اور حکمرانی مسلط کرنے کا حق جتاتی ہے۔ (۱۳۲) یہ صرف اپنی ثقافت کو تمام دنیا میں پھیلانے کے اسی مہیہ فرض کا شاخسانہ ہے جس کے باعث جھگڑا اور فساد پیدا ہوتا ہے ورنہ محض تنوع اور تکثیریت اس کا قطعاً باعث نہیں، اور یہ قوت کے ذریعے ایک ملک کی دوسروں پر بالادستی اور ایک تہذیب کے دوسری تہذیبوں پر غلبے کا فلسفہ اور پالیسی ہے۔ (۱۳۳) جسے ہم ”تہذیبی دہشت گردی“ ہی کہہ سکتے ہیں، جو موجودہ تصادم، بحران اور جھگڑے کی بنیاد ہے۔ جس کے باعث افراد و اقوام جنگ، دہشت گرد کارروائیوں اور قتل عام کی طرف دھکیلی جا رہی ہیں۔ (۱۳۴) اگر دیگر افراد اقوام کی روایات و عقائد کا احترام ایک اصول اور ضابطے کی شکل اختیار کر لے تو پھر اقوام کے درمیان معاہدہ برائے باہمی بقا، تعاون اور صحت مندانہ مسابقت پیدا ہو جائے گی اور انسانیت پھر دوبارہ سے زندہ ہو جائے۔ (۱۳۵) اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے یعنی دیگر افراد/اقوام کے عقائد کا احترام نہ کہ بالادستی، تو پھر یہ دنیا یقینی طور پر امن و امان اور انصاف کی بستی بن سکتی ہے۔ پھر تہذیبوں کے مابین تصادم کے خدشات تحلیل ہو سکتے ہیں۔ (۱۳۶) اور دہشت گردی کا پراسرار خوف زمین میں دفن ہو سکتا ہے۔ (۱۳۷) کیا اب بھی وہ لمحہ اور وہ وقت نہیں آیا کہ جب دہشت گردی سے آگے کا سوچا اور اس کے لئے کوشش کی جائے؟ کیا انسان اس متبادل حل کو نظر انداز کرنے کا قہقہہ ہو سکتا ہے؟ (۱۳۸)

دنیا میں ارب ہتی افراد کی فہرست میں ۱۰۴ نئے ناموں کا اضافہ ہوا ہے۔ اب یہ تعداد ۶۹۱ ہو گئی ہے۔ دنیا کے ۱۱۰ امیر ترین افراد میں بل گئیں پہلے نمبر پر، وارن بلفے دوسرے نمبر پر، بھارت کے لکشمی میچل تیسرے نمبر پر اور سعودی عرب کے الولید طلال السعود پانچویں نمبر پر آئے ہیں۔ (۱۳۹) مذکورہ بالا پہلی رپورٹ کے مطابق امیر لوگوں کی تعداد میں اضافے کی رفتار سال کے مقابلے میں جنوبی کوریا میں ۲۳ فیصد، بھارت میں ۱۹ فیصد، روس میں ۱۷ فیصد سے بڑھ رہی ہے۔ انڈونیشیا، ہانگ، سعودی عرب، سنگاپور، متحدہ عرب امارات اور برازیل میں یہ تعداد دو گنی ہو رہی ہے، جب کہ چین میں اس کی رفتار ۶۸ فیصد ہے۔ ان

رپورٹوں کے مطالعے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ماضی قریب میں جہاں جہاں کیونزم اپنی پوری شان و شوکت سے قائم تھا، اب وہاں کے عوام بھی حصولِ دولت کی دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں، چین کی پارلیمانی ۱۹۳۹ء کے انقلاب کے بعد اب مارچ ۲۰۰۴ء میں اپنے آئین میں انتہائی اہم ترمیم کے ذریعے ملک میں پہلی بار نجی ملکیت کے تحفظ سے متعلق ایک قانون کی منظوری دی ہے۔ اس ترمیم کے ذریعے چین نے کیونزم کی اس بنیادی شق کو ترک کر دیا ہے کہ پیداوار کے ذرائع عوام کی ملکیت ہوں گے، اس اجلاس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کرپشن چین کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ (۱۵۰)

اس وقت دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام اپنے پورے روج پر نظر آ رہا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یہ نظام انتہائی تیزی سے اپنی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا ہے۔ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ درحقیقت کارپوریٹ عالم گیریت کو ترقی دینے کے لئے ہے اور آزادانہ تجارت اس جنگ ہی کا ایک ہتھیار ہے۔ یہ لکھتی ہیں کہ صدر بش اور دک چینی کی پہلی انتخابی مہم کے دوران یعنی ۲۰۰۰ء کے امریکی انتخابات میں ان کو اپنے مد مقابل امیدوار سے ۱۳ گنا زیادہ سرمایہ تیل و گیس کی کثیر قومی کمپنیوں نے فراہم کیا تھا، جب کہ ۲۰۰۴ء کے صدارتی الیکشن میں ان کو مد مقابل سے دگنے سے زیادہ فنڈ ملے۔ صدر بش کی پالیسیوں کی وجہ سے امریکہ کی ۲۹ بڑی تیل کمپنیوں نے ۲۰۰۳ء میں ۴۳ ارب ڈالر، جب کہ ۲۰۰۴ء میں ۶۸ ارب ڈالر کا منافع کمایا ہے۔ امریکہ اپنے اس سرمایہ دارانہ نظام کو بڑھانے کے لئے مشرق وسطیٰ کے تیل و گیس پر اپنی کمپنیوں کے ذریعے کنٹرول کر کے وہاں کی مارکیٹوں میں امریکی مصنوعات کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ (ڈل ایسٹ فری ٹریڈ ایریا) کے نام سے ایک آزادانہ تجارت کا زون قائم کر رہا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ایران کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تاکہ وہاں کے وسائل تک بھی اس کی دوبارہ رسائی ممکن ہو سکے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ امریکہ عسکری اور معاشی غلبہ حاصل کرے جس سے دنیا میں امن قائم رکھا جاسکے۔ (۱۵۱)

”بش اور بلیمبر وہ لوگ ہیں جو صرف اور صرف دنیا کے وسائل پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ ان کو اس کی کوئی پروا نہیں کہ اس راہ میں کتنے معصوم لوگ مارے جاتے ہیں“ اس تقریر کے دوران پنٹر نے مطالبہ کیا تھا کہ بش اور بلیمبر پر جنگ میں جھوٹ کا پلندا پھیلانے کے جرم میں عالمی جرائم کی عدالت میں مقدمہ چلانا چاہئے۔ اسی طرح ایک ”چالیس سولیوان“ نامی امریکی صحافی نے لکھا ہے کہ ”جب بش یا کوئی سرمایہ دار یہ کہتا ہے کہ دنیا میں آزادی ہونی چاہئے“ تو اس کا مطلب ومعنی وہ نہیں ہوتے جو ہمارے ذہنوں میں آتے ہیں، بلکہ انکا مطلب یہ ہے کہ تجارت، مارکیٹ اور اس قرح کی پیداوار کے تمام وسائل کی خرید و فروخت پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے تاکہ یہ تمام وسائل وہ اس کی قیمت لگا کر اپنے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں اور ان کی گرفت میں لے آئیں۔“ (۱۵۲)

آج کے دور میں تیل کا دوسرا نام دولت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جہاں تیل کے ذخائر ہیں وہاں امریکی افواج بھی موجود ہیں۔ اپنا بیخیر یا ہی کی مثال لے لیں۔ وہاں تو کوئی القاعدہ یا اسلامی تنظیم نہیں جس سے امریکہ کو بزع خود اپنی سلیت کا خطرہ لاحق ہو لیکن وہاں بھی امریکی افواج موجود ہیں۔ (۱۵۳) گارڈین اخبار کے نمائندے کو بتایا کہ ان کی خلج گنی میں موجودگی کی اصل وجہ یہ ہے یہاں کے تیل کے ذخائر کو یہاں کی غریب انتہا پسند آبادی سے بچایا جائے۔ (۱۵۴) اس کے مطابق ۱۹۹۰ء میں امریکہ اپنی روزانہ تیل کی ۱۵ فیصد ضرورت اسی تیل سے پوری کرتا رہا ہے۔ ناٹجیر یا ہر سال تقریباً ۳۰ بلین ڈالر کا تیل فروخت کرتا ہے۔ اس میں سے ۱۰ بلین ڈالر سیدھے وہاں کے فوجی جنرل کے اس کھاتے میں چلے جاتے ہیں جو مغربی ممالک کے بینکوں میں ہے اور یہ بینک اس سرمایے سے، جو چوری اور کرپشن کا ہے، نہ جانے کتنا منافع کماتے ہیں۔ ناٹجیر یا کے حکومتی اہل کار وہاں مغربی و امریکی تیل کمپنیوں سے براہ راست رابطہ رکھتے ہیں، اور جہاں بھی وہاں کی مقامی آبادی اپنے حقوق کے لئے کھڑی ہوتی ہے، اُسے سختی کے ساتھ کچل دیا جاتا ہے۔ مثلاً جولائی ۱۹۹۳ء میں تیل کے علاقے میں ۱۳۲ نہتے بچوں، عورتوں اور مردوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا کیوں کہ وہ

اپنی سر زمین سے پیدا ہونے والے تیل کی قیمت سے دو وقت کی روٹی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اسی طرح اگست میں ۲۴ معصوم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ستمبر میں ہزاروں انسانوں کا قتل کیا گیا۔ وہاں موجود امریکی اور مغربی تیل کمپنیاں وہاں کی حکومت کو عوامی جدوجہد کچلنے کے لئے ہریئرل پر ایک ڈالر ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ وہاں کے ایک بڑے عوامی لیڈر کین سارودانیو کو صرف اس لئے پھانسی دے دی گئی کہ وہ چاہتا تھا کہ تیل کے علاقے میں رہائش پذیر عوام کو ان کا کچھ حصہ دیا جائے تاکہ وہ اپنی غربت کی زندگی میں کچھ آسانی پیدا کر سکیں۔ اس لیڈر کی سزا پر نیلن منڈیلا نے امریکہ سے مطالبہ کیا کہ وہ نا تجبیر یا پر اقتصادی پابندیاں لگا دیں۔ لیکن امریکہ نے صرف ایک بیان جاری کیا کہ وہ اس کی سخت مذمت کرتا ہے۔ (۱۵۵) امریکہ تیل کی خرید کے بدلے انسانوں کا خون خرید رہا ہے۔ اس پورے باب میں تیل کے حصول کے سلسلے میں جو انسانوں کا خون خریدا رہا ہے۔ اس پورے باب میں تیل کے حصول کے سلسلے میں جو انسانوں پر ظلم ہو رہا ہے اس کی داستان پڑھ کر انسان چیخ اٹھتا ہے، لیکن یہ سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی نکتہ ہے کہ پیداوار کے وسائل کو حصال کرو چاہے اس کی راہ میں کتنے ہی لوگ کیوں نہ مارے جائیں۔ (۱۵۶)

ورلڈ فوڈ پروگرام اور فوڈ ایڈ کی رپورٹوں کے مطابق ۱۹۶۰ء کے عشرے سے لے کر اب تک دنیا میں اتنی خوراک پیدا ہو رہی ہے کہ یہ اس کرۂ ارض کے تمام انسانوں کے لئے وافر ہے، لیکن اس کی غلط تقسیم اور وقت پر ضرورت مندوں کو اس کی رسائی جیسے مسائل کی وجہ سے اس دنیا میں ۸ کروڑ ۵۰ لاکھ انسان فاقے کا شکار ہیں۔ ان میں سے تین کروڑ تعداد بچوں کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس زمین پر ہر ساتواں انسان بھوکا رہتا ہے۔ بھوکے بچوں کی آبادی دنیا میں امریکہ کی پوری آبادی سے زیادہ ہے۔ اس خوبصورت دنیا میں ہر چار سیکنڈ کے بعد ایک انسان بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے۔ روزانہ ۲۵ ہزار انسان بھوک سے مر جاتے ہیں۔ ان میں ۱۸ ہزار معصوم بچے ہوتے ہیں۔ ہر سال ۹۰ لاکھ انسان خوراک کی قلت کی وجہ سے مر رہے ہیں۔ ۱۰ امرنے والوں میں ۹ مرنے والوں کی خبر کسی کو نہیں ہوتی۔ اس وقت بھوک دنیا کی سب

سے بڑی بیماری ہے جس نے مرنے والوں کی تعداد ایڈز، بلیریا یا کینسر کی بیماریوں سے مرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ (۱۵۷) دنیا کے ۵۴ ممالک ایسے ہیں جو اپنی آبادی کو پوری خوراک مہیا کرنے سے قاصر ہیں، اس لئے کہ وہاں پر خوراک پیدا نہیں کی جاسکتی کہ وہاں پانی کے وسائل میں کمی ہے یا وہاں غریب عوام کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ بیج خرید سکیں یا وہاں امن و امان کی صورت حال خطرناک ہے، یا وہاں خشک سالی کا مسئلہ ہے یا ان ممالک کے آمر حکمرانوں کی حکمت عملی غلط ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ان تمام ممالک کے پاس اپنی ضرورت کی خوراک پیدا کرنے کے تمام وسائل موجود ہیں۔ اب پاشی کے نظام سے حاصل ہونے والی خوراک دنیا کی ۴۰ فیصد ہے، جب کہ اس کا رقبہ صرف ۷ فیصد ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر یہ ممالک اپنے مسائل کو حل کر لیں تو دنیا میں غربت کا خاتمہ ممکن ہے۔ دنیا کے غریب اور بھوکے عوام اپنی آمدنی کا ۷۰ فیصد صرف غذائی اجناس خریدنے میں صرف کرتے ہیں، جب کہ امریکہ میں ہر سال ۳۳ بلین ڈالر صرف خوراک اور وزن کم کرنے والی ادویات پر خرچ کیا جاتا ہے، ورلڈ فوڈ پروگرام کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۵ء تک بھوک و افلاس کو آدھا کرنے کے لئے صرف ۱۲۰ بلین ڈالر کی ضرورت ہے، جب کہ ترقی یافتہ ممالک ہر سال ۳۰۰ بلین ڈالر اپنے کسانوں کو زرعتی کی مدد میں ادا کرتے ہیں۔ اگر اس رقم کا ایک ہفتے کا خرچ فوڈ پروگرام کو دے دیا جائے تو ایک سال کے لئے دنیا کے بھوکے انسانوں کو کھانے کے لئے غذا مہیا کی جاسکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ ۹۰ لاکھ انسانوں کو ایک سال کی زندگی دی جاسکتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے عوام اوسطاً ہر روز اپنی غذا پر ۱۰ ڈالر خرچ کرتے ہیں، جبکہ دنیا میں بھوکے انسانوں کو اپنی روٹی کے لئے صرف ۳۰ سینٹ چاہئیں۔ (۱۵۸) ماضی قریب میں قریب میں سرمایہ دارانہ نظام کو کمیونزم اور سوشلزم سے خطرہ تھا، لہذا اُس وقت تک سرمایہ دار کچھ نہ کچھ غریب عوام کا خیال کرتے تھے تاکہ ان کے اپنے ممالک میں کمیونزم اور سوشلزم نہ آجائے۔ اب جب کہ سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا پر اپنی گرفت مضبوط کرنا شروع کی ہے، اس وقت سے خوراک کے عالمی پروگرام کی امداد میں بھی کمی

ہونا شروع ہو گئی ہے۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کی رپورٹ کے مطابق اس ادارے کو ۱۹۹۹ء میں ۱۵ ملین ٹن خوراک مدد میں ملی تھی جو کہ ۲۰۰۳ء میں صرف ۵ ملین رہ گئی ہے، یعنی اس میں نصف کی کمی واقع ہوئی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں اسے ایک بلین ڈالر کی امداد ملی تھی جو کہ ۲۰۰۳ء میں صرف ۲۳۳ ملین ڈالر رہ گئی ہے۔ ۲۰۰۳ء میں ورلڈ فوڈ پروگرام نے دو تہائی خوراک ترقی یافتہ ممالک سے خریدی تھی۔ (۱۵۹)

بھارتی میگزین فرنٹ لائن کے مطابق بھارت کے دارالحکومت دہلی میں کم از کم ایک لاکھ ۴۰ ہزار بچے، عورتیں اور مرد سڑکوں پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں سے متعدد رات کو سردی کی وجہ سے دم توڑ جاتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق پورے بھارت میں ۷ کروڑ ۸۰ لاکھ انسان سڑکوں پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی آبادی کے بارے میں ایک رپورٹ کے مطابق بھارت میں ۸۱ فیصد لوگ ۲ دالر سے بھی کم آمدنی پر روزانہ اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں، جب کہ بھارت میں آپ کو اربوں روپوں سے بنے گھر بھی نظر آئیں گے۔ ٹائم میگزین کی ایک رپورٹ کے مطابق بھارت کے ایک شہر ممبئی میں ۱۳۰۰/۱ افراد کے لئے صرف ایک بس ہے۔ ایک ہزار کاروں کے لئے پارکنگ کی صرف دو جگہیں ہیں۔ ۲۰ لاکھ انسانوں کے لئے صرف ایک رفاہی اسپتال ہے۔ اس شہر میں ۱۷۵۰/۱ افراد کی گنجائش والی ریل گاڑی میں تقریباً ۴۵۰۰ افراد سفر کرتے ہیں۔ ہر سال ۳۵۰۰ افراد اس سفر کے دوران کسی نہ کسی حادثے کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ایک تہائی آبادی کے پاس پینے کے لئے صاف پانی موجود نہیں، جب کہ ۲۰ لاکھ سے زیادہ انسانوں کو بیت الخلاء کی سہولت نہیں۔ (۱۶۰)

امریکی معاشرے کی تعلیم و تربیت کے اثرات:

امریکہ کے ایک شہر لاس اینجلس میں ہر رات ۹۱ ہزار غریب لوگ اس شہر کی سڑکوں پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ ان رپورٹوں کو پڑھنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ رہی ہے کہ دنیا میں امیر و غریب کے درمیان فرق بڑی تیزی

سے بڑھ رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں امیروں کی تعداد میں سیکڑوں کے حساب سے، جب کہ غریبوں کی تعداد میں لاکھ کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔ (۱۶۱) گزشتہ صدی کے آغاز پر دنیا کے امیر ترین ۱۰ ممالک دنیا کے غریب ترین ۱۰ ممالک سے صرف ۳۰ گنا زیادہ امیر تھے، جب کہ ۱۹۶۰ء میں امیر ترین ممالک اپنے مد مقابل غریب ترین ممالک سے ۱۳۱ گنا زیادہ امیر ہیں۔ اس کے خیال کے مطابق نئی ہزارے (سیلینیم) میں کرۂ ارض کو سب سے بڑا چیلنج امیر اور غریب عوام میں بڑھتا ہوا فرق ہے۔ ان دونوں کے درمیان بے پناہ عدم مساوات ہے، جب کہ ان کا درمیانی فاصلہ تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی مثال اس طرح دیتے ہیں کہ امریکہ میں اوسط خاندانی سالانہ آمدنی ۵۵ ہزار ڈالر ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی کو روزانہ ۲ ڈالر سے بھی کم پر زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ گویا دنیا کے ایک ارب ۲۰ کروڑ انسان صرف ایک ڈالر روزانہ پر گزارا کرنے پر مجبور ہیں، یعنی صرف ایک ڈالر کھانے، رہائش اور لباس کے لئے۔ حفظانِ صحت اور تعلیم کے لئے کیا باقی رہ جاتا ہے۔ ان حالات میں انسان کی عزت نفس یا روشن مستقبل کی امید کا باقی رہنا تو مشکل ہوگا۔ ان کے مطابق امریکہ کا پورا معاشرہ تقسیم در تقسیم ہوتا جا رہا ہے اور یہ تقسیم کالے، گورے یا ہسپانوی کے درمیان نہیں بلکہ یہ تقسیم امیر اور غریب کے درمیان ہے۔ (۱۶۲)

محسن انسانیت ﷺ کے نظامِ تعلیم و تربیت میں دنیا کے مسائل کا

حل موجود ہے

آج دنیا میں ”اخوتِ انسانی“ کا فقدان ہے، اور یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ انسانی اخوت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام انسانوں کے مابین کوئی قدر مشترک نہ دریافت کر لی جائے، انسانی معاشروں کے مابین کسی ”قدر مشترک“ کے حصول کے لئے سب سے بڑی بنیاد توحید ہے۔ اشتراکِ عقیدہ کے لئے توحید پر اتفاق نہایت ضروری ہے، یعنی انسان اللہ کی چوکھٹ کے سوا کسی انسانی بارگاہ پر، خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کتنی ہی معتبر اور مقتدر کیوں

نہ ہو، اپنی جبین نیاز نہ جھکائے۔ یہی وہ پیغام ہے جو سورہ آل عمران میں دیا گیا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ (۱۶۰)

اے نبی ﷺ، کہو اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ساتھ بلند ہوئی۔ رحمت الہی کا فیضان عام ہوا، وحدانیت کی برکات ارزاں ہوئیں۔ بے چین اور آوارہ و سرگرداں دنیا کو پیام امن و راحت اور انسانی قافلوں کو پرچم رسالت کے سائے میں جگہ میسر آئی۔ یہ دعوت کسی خاص قوم و گروہ، خطے یا علاقے تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کی برکتیں اور رحمتیں تمام بنی نوع انسان کے لئے تھیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الَّذِي يَأْمُرُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۱۶۳)

اے محمد ﷺ، کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی (ﷺ) پر جو اللہ اور اس کے ارشادات

کو مانتا ہے، اور پیروی اختیار کرو اُس کی، امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔

گویا اس آیت میں حسب ذیل نکات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دعوت پوری حقیقت کے ساتھ واضح کر دی گئی ہے۔ ۱۔ یہ تعلیمات یکساں طور پر تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ (۱۶۵) ۲۔ یہ ایک اللہ کے آگے سب کے سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (۱۶۶) ۳۔ ایمان باللہ و کلماتہ اس کا شعار ہے، (۱۶۷) یعنی اللہ پر اور اس کے کلمات وحی پر ایمان لازمی ہے۔ (۱۶۸) آپ ﷺ نے اپنے مخاطبین سے نزاع یا افتراق پیدا کرنے کے بجائے اس بات کی کوشش فرمائی کہ جن اصولوں پر اشتراک و اتحاد ہے اس کے مشترکہ پہلوؤں کو استدلال کے ذریعے واضح کر دیا جائے تاکہ مخاطب داعیِ حق کی بات سننے کی طرف راغب ہو۔ (۱۶۹) اس میں ضد اور ہٹ دھرمی کا مادہ کم سے کم پیدا ہو اور پھر اس کے سامنے ان نتائج کو رکھا جائے جو اس کے اپنے اقرار کردہ اصولوں سے لازمی طور پر نکلتے ہیں تاکہ وہ ان کو اپنی بات سمجھ کر قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی:

وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ (۱۷۰)

اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو۔

بہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور عہدِ قدیم کی دیگر اقوام کے درمیان ”قدرِ مشترک“ کو تلاش فرمایا اور اس کو بنائے بحث و استدلال بنایا۔ نوعِ انسانی اپنے ظاہری اختلافات کے لحاظ سے کتنی ہی متفرق اور پراگندا کیوں نہ نظر آئے لیکن اس کے اس تفرق اور دوری کی تہہ میں بے شمار اصول و قواعد ایسے بھی ہیں جن پر سب متحد ہو سکتے ہیں۔ افاق کے قوانین و ضوابط، فطرت کے مظاہر، تاریخ کے مسلمات اور بنیادی اخلاقیات میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں شرق و غرب اور عرب و عجم سب ایک ہی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرزِ استدلال اور طریقِ دعوت کا نتیجہ یہ بھی نکالا کہ جو لوگ ایمان قبول

کرتے گئے ان کو ذہنی و فکری طور پر مزید اطمینان حاصل ہوا اور وہ اس پر پوری طرح جم گئے، اور معاشرے کا وہ طبقہ جو شک و تذبذب اور شبہات و احتمالات کا شکار تھا اور قبولِ حق میں چند رکاوٹوں کے سبب ہچکچا رہا تھا، اس طرزِ استدلال سے مطمئن ہو گیا۔ (۱۷۱) ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گتھی کو انتہائی خوش اسلوبی سے سلجھایا ہے۔ آپ ﷺ نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کے سامنے یگانگت، ہم آہنگی اور اتحادِ عالم کے تصورات ان دلائل کی روشنی میں رکھے کہ دنیا کے انسان جو کبھی پیدا ہوئے تھے، جو آج موجود ہیں، اور جو آئندہ رہتی دنیا تک پیدا ہوں گے، ان کا پیدا کرنے والا، پالنے والا، ان کی زندگی و موت کا مالک، ان کے لئے زندگی کا تمام سامان بہم پہنچانے والا، انہیں جسمانی، ذہنی، روحانی، ہر قسم کی قوت بخشنے والا، صرف اللہ ہے۔ اسی نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی اس نظامِ عالم کا نگران اور مدبر و منتظم ہے۔ وہی تمام انسانوں کا مالک اور آقا ہے اور وہی ان کا حقیقی فرماں روا ہے۔ نبی ﷺ اللہ کی جو کتاب انسانوں کی ہدایت کے لئے لائے اس کی ابتداء الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۷۲) ”شکر و ستائش اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے۔“ سے ہوتی ہے۔ اور

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝ (۱۷۳)
کہہ دیجئے میں پناہ چاہتا ہوں تمام انسانوں کے پروردگار کی، تمام انسانوں کے بادشاہ کی اور تمام انسانوں کے معبود کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو بندگی کی دعوت دی۔ دنیا کو ساری بندگیوں اور غلامیوں سے جات دی، زندگی کی حقیقی نعمتیں جن سے انسانوں نے خود اپنے آپ کو محروم کر لیا تھا دوبارہ عطا کیں، وہ طوقِ سلاسل انسانوں کے گلوں سے اتارے جو خود انہوں نے پہن رکھے تھے۔

يَا مُرَّهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَجْلُ لَّهُمُ
الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ

وَالْأَغْلَالُ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ
وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُقْلِحُونَ ﴿١٤٣﴾

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ برائی سے روکتے
ہیں۔ پسندیدہ چیزیں حلال کرتے ہیں، گندی چیزیں حرام ٹھہراتے ہیں۔
اس بوجہ سے نجات دلاتے ہیں جس کے تلے وہ دبے ہوئے تھے، اُن
پھندوں سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی
حرارت، نیا ایمان، نیا یقین اور نئی تہذیب عطا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے دنیا کی نئی
تاریخ اور انسانیت کے کام کی عمر شروع ہوتی ہے کہ خود فراموشی میں جو زمانہ گزرا وہ اعتبار کے
قابل نہیں اور بنیاد و تابینا اور زندہ و مردہ ایک پلڑے میں نہیں رکھے جاسکتے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۚ
وَلَا الظُّلُّ وَلَا الْحُرُورُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ
إِنَّ اللَّهَ يَسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي
الْقُبُورِ ﴿١٤٥﴾

اور برابر نہیں اندھا اور آنکھوں والا اور نہ تاریکی اور نہ اجالا، اور نہ چھاؤں
اور نہ دھوپ اور زندہ آدمی اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔

دنیا کا ہر متمدن انسان، فطرتاً مکابہت پسند، پرسکون اور خوش گوار زندگی کا خواہاں
ہے۔ دہشت و بربریت اور بد امنی و بے چینی سے اس کی طبیعت ابا کرتی ہے۔ مذہب اسلام،
انسان کی اس فطری ضرورت کا بہر صورت پاس و لحاظ رکھتا ہے اور اسے ایک ایسا نظام حیات
عطا کرتا ہے جس کے اصول و مبادی، اوامر و نواہی اور احکام و مسائل امن و سلامتی کی حسین

لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ جس ذاتِ عالی کا نازل کردہ دستورِ حیات ہے اس کی ایک صفت ”اسلام“ یعنی مرجعِ امن و سلام بھی بیان ہوئی ہے۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ
الْمُهَيِّمُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا
يُشْرِكُونَ (۱۴۶)

اسلامی تصورِ امن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر انسان کی جان اور خون کو محترم قرار دیتا ہے۔ اس کی نگاہ میں قتل ناحق سب سے بڑا گناہ ہے۔ حتیٰ کہ وہ کسی ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل تصور کرتا ہے۔

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ
لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ
وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا
آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي
أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي
الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۱۴۷)

آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا یعنی ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا یعنی ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے اور پاک دامن عورتیں جو مسلمان ہوں اور وہ پاک دامن عورتیں جو ان کو حلالہ نکاح میں لانے والے ہو علانیہ، بدکاری کرنے والے نہ ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنا مقصود ہو، اور جو شخص ایمان کے احکام کا انکار کرے وہ یقیناً اس کے سب نیک اعمال برباد ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں سزا میں مبتلا ہوگا۔

کوئی شخص محض عقیدہ، زبان اور قومیت کی بنیاد پر حق زیت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اسلام مخلوط سوسائٹی میں پر امن بقائے باہم کا نظریہ ہی نہیں پیش کرتا، بلکہ وہ عملاً اس کے استحکام کے لئے بھی کوشش کرتا ہے۔ وہ جہاں یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے غیر مسلم بھائیوں سے خندہ پیشانی سے ملو اور ان کے سلام کا گرم جوشی سے جواب دو:

وَإِذَا وَجِدْتُمْ فَتْحًا فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا (۱۷۸)

اور جب تم کو کوئی سلامتی کی دعا دے، یعنی سلام علیک کرے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں سلام کا جواب دو یا کم از کم انہی الفاظ کے ساتھ دعا دو جو پہلے شخص نے کہے تھے۔

وہاں فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لئے ہر مذہب کے مذہبی رہنماؤں کی تکریم بھی سکھاتا ہے۔ عام طور پر جب لوگ لفظ امن بولتے یا لکھتے ہیں تو اس کا سیدھا سادا مفہوم عدم جنگ لیتے ہیں۔ یہ امن کا منفی تعریف ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے معنی جنگ کے علاوہ کچھ اور ہیں جو اس کے مثبت کردار کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو جنگ کی طرح وقوع پذیر نہیں ہوتا اور یہ امن ایسے حالات کا نام ہے جس میں جماعت یا ملکوں کے درمیان احترام باہم اور صحیح معنوں میں باہم سرگرم تعاون کی فضا پائی جاتی ہو اور پھر یہ بڑھ کر بالآخر پوری دنیا کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ (۱۷۹) کیونکہ انسان جب متعدد معبودوں کی پرستش کے باوجود بھی، روحانی امن و سکون سے محروم رہتا ہے تو اسلام کا نظریہ تو حید اسے تسلی دیتا ہے کہ:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (۱۸۰)

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں تو ایسے ہی لوگ پر امن ہیں اور یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔

یعنی امن و سکون تو اہل توحید کے لئے مقدر ہے۔ جب اسے دوسروں کے عیثر و طعم کے مقابلے میں اپنی بد حالی دیکھ کر پریشانی لاحق ہوتی ہے تو عقیدہ قضا و قدر اس کے لئے

سامانِ تسکین ثابت ہوتا ہے۔ جب وہ بے راہ روہونے لگتا ہے تو عقیدہ آخرت اور اُس کی ہولناکی اُسے راہِ راست پر لے آتی ہے، اور جب وہ کسی کا حق مارنے اور قتل و خون کا ارادہ کرتا ہے تو اسلام کا نظریہ قصاص و جنایات اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے۔ اس طرح فرد کی زندگی امن حقیقی سے آشنا ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مذاہب کے ماننے والوں کو آپس میں بھائی اور امت واحدہ قرار دیا: سب لوگ بھائی بھائی ہیں۔ (۱۸۱) دوسری جگہ فرمایا: وہ سب ایک امت ہیں۔ (۱۸۲) حکم دیا: یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں یہ لوگ رات دن میں جب چاہیں نا تو سب جائیں۔ البتہ نماز کے اوقات متثنیٰ ہیں، رہیں گے یہ لوگ عید کے دن صلیب نکالیں۔ (۱۸۳) ایک اور جگہ فرمایا: کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے نہ روکو ورنہ وہ بے سوچے سمجھے حد سے تجاوز کر کے اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

وَكُهُ مَاسَكُنَ فِي السَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّيْنِعُ
الْعَلِيمُ (۱۸۴)

اور رات اور دن میں جو بھی سکونت پذیر ہے وہ سب اسی کی ملک ہے اور وہی سب سنتا اور جانتا ہے۔

اعلان کیا کہ مذہب کے معاملہ میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ (۱۸۵)
اور ہم نے آدم سے کہا اے آدم! سکونت اختیار کر لو اور تیری بیوی جنت میں، اور تم دونوں اس میں سے خوب جی بھر کر جہاں سے چاہو کھاؤ اور وہاں دیکھو اس مخصوص درخت کے قریب مت جانا، ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

دین میں زبردستی نہیں ہے، دوسری جگہ فرمایا کہ:

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۖ (۱۸۶)

جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

ہر قابل ذکر مذہب کی ”اصل“ کو تسلیم کیا جیسا کہ ان آیتوں سے ثابت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ
اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَانْصَبُوا
تُؤْفِكُونَ ۝ (۱۸۷)

اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا (رسول) نہ گزرا
ہو۔

الْمَرِّ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (۱۸۸)

اے پیغمبر آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت
کرنے والا ہوا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا
عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ (۱۸۹)

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکدار اور چاند کو روشن بنایا اور چاند کے
لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم لوگ برسوں کا شمار اوقات کا حساب معلوم کرو،
اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں نہیں پیدا کیں، مگر کمالِ حکمت کے ساتھ، اللہ تعالیٰ اپنے
دلائل ان لوگوں کے لئے مفصل بیان کرتا ہے، جو لوگ اہل علم و دانش ہیں۔

ہر امت کے لئے رسول ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ (۱۹۰)

ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں سنائے۔ (ان کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے)

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (۱۹۱)

بے شک ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا (جس کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (سرکشی قوموں) سے بچو۔

ہر مذہب کی بنیادی تعلیم میں وحدت تسلیم کی، جیسا کہ ان آیتوں سے ظاہر ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱۹۲)

نیک یہ نہیں ہے کہ (رسمی طور پر) تم نے اپنا منہ پورب اور پچھتم کی طرف کر لیا بلکہ نیک تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر تمام کتابوں پر اور تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے، اپنا مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سالکوں کو دیتا ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور قول و قرار کا پکا ہونا ہے۔ تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں ثابت قدم رہنا ہے۔ ایسے ہی لوگ (دبندار ہیں) سچے ہیں اور یہی برائیوں سے بچنے والے ہیں۔

بنیادی تعلیم کی دعوت کے ساتھ مذہب کی مختلف شکلوں میں رواداری برتنے کا حکم دیا، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ مُذَاتٌ

الصُّدُورِ (۱۹۳)

ہر ایک کے لئے ایک شریعت (دستور العمل) اور طریقہ (راہ عمل) مقرر کر دیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن یہ اختلاف اس لئے ہوا کہ اس نے جو تمہیں دیا ہے اس میں وہ تمہاری آزمائش کرے۔ پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ:

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (۱۹۴)

پھر انبیاء بنی اسرائیل کے بعد اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک شریعت پر قائم کیا، پس آپ اس کی پیروی کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو علم نہیں رکھتے۔

اسلام، علم کے زیور سے آراستہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ اسلام علم حاصل کرنے اور موزکانات کا کھوج لگانے پر جتنا زور دیتا ہے، کوئی اور مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اسلامی معاشرے میں جاہلوں اور بے علم لوگوں کو ہرگز وہ مقام نہیں مل سکتا جو صاحب علم لوگوں کو حصال ہوا کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہئے کہ تو عالم ہو، معلم ہو، علم سننے والا اور علم سے محبت رکھنے والا ہو، اگر کوئی پانچویں صورت اختیار کی تو (یاد رکھ) ہلاک ہو جائے گا۔ (۱۹۵) آپ ﷺ نے علم کو ان امور میں شامل کیا ہے جن پر رشک کیا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ دعا فرماتے:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۱۹۶)

میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اس طرح آپ ﷺ نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو دلوں سے جہالت کے اندھیرے

نکال کر ان کی جگہ علم کی شمعیں جلا دیتا ہے۔

الطَّلَاقَ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيَةٍ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمُ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ (۱۹۷)

وہ طلاقِ رجعی دومرتبہ ہے پھر ان دو طلاقوں کے بعد حسن معاشرت کے ساتھ رکھ لینا ہے یا بھلے تقریقے سے چھوڑ دینا ہے اور تم کو یہ حلال نہیں ہے کہ جو تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو، مگر ہاں جب کہ دونوں میاں بیوی کو اس بات کا خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو اگر تم لوگوں کو اس کا ڈر ہو کہ وہ دونوں میاں بیوی حدودِ خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس مال کے دینے لینے میں ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں، جو عورت خاوند کو دیکھ کر اپنی جان چھڑا لے یہ مذکورہ احکام حدودِ خداوندی ہے، ان سے گئے نہ بدھوا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے نکلے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ○ (۱۹۸)

جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اے ایمان والوں تم کو یہ بات حلال نہیں، کہ تم عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو، اور نہ یہ حلال ہے کہ بلا وجہ ان کو اس غرض سے قید کر رکھو جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے کچھ واپس لے لو مگر ہاں اس وقت جبکہ وہ کسی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرو۔ پھر اگر ان کو پسند نہ کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند نہ کرو مگر اللہ تعالیٰ نے اسی میں بہت زیادہ بھلائی رکھی۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا (۱۹۹)

مردوں کا وہ حصہ جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

اسلام نے تعلیم کو کبھی ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا۔ خواتین نے جب آپ ﷺ سے تعلیم کے لئے ملنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر کر دیا اور الگ جگہ کا تعین فرما دیا۔ (۲۰۰) اسلام خواتین کے بارے میں کہیں رکاوٹ نہیں ڈالتا، انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہاں، اپنی تعلیمات کی روشنی میں اتنا ضرور تجویز کرتا ہے: ۱۔ اسلامی نظام تعلیم میں لڑکیوں کے لئے تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہئے۔ ۲۔ ان کے لئے نصاب تعلیم الگ ہونا چاہئے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور ارشادات نبی کریم ﷺ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاتَّعَمَّكُمْ بِهِ إِذْ
 قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ
 الصُّدُورِ ۝ (۲۰۱)

اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا تم کو ادھر بھیج کر نہ لے
 جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا
 يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاَنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ
 لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۲۰۲)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور
 انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ
 کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت
 رکھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ لکھوایا اس کے
 الفاظ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ
 نے ایلسا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے
 تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی، نہ وہ
 ڈھائے جائیں گے، نہ اُن کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ انکے مالوں میں کمی کی جائے
 گی اور مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ حکمران امویہ، عباسیہ، اندلسیہ و
 فاطمیہ کے عہد حکومت میں اقوام غیر کا صدیوں تک آباد رہنا مسلمانوں کی بے تعصبی کی روشن
 دلیل ہے۔ اور نگ زیب عالم گیر کو متعصب قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے دربار میں ہندو امریکی
 فہرست اکبر کے دربار سے زیادہ لمبی ہے۔ سیاست حاضرہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ

بے تعصبی اور رواداری ہی ان کے زوال کا سبب بنی۔ ایک سیر چشم مسلمان یہ اعتراض تو تسلیم کر سکتا ہے لیکن یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔ (۲۰۳)

اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے۔ وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا:

وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوهَا (۲۰۴)

یعنی ترک تمدن بدعت ہے۔

اسلام انسان کی خودی کی تعمیر کر کے اسے ایسا روشن خیال بنا دیتا ہے جس کی دنیا اور دین کے درمیان فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اسے معاشرے کا ایسا فرد بنا دیتا ہے جس کی زندگی کا کوئی پہلو کمزور نہیں رہتا۔ وہ اسے اپنے خالق کا سچا بندہ، والدین کا سعادت مند بیٹا، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے والا، تمدن کا پورا محافظ، فرماں بردار، راست گو، امانت دار، صلح پسند، فساد کا دشمن اور نسل انسانی کا دوست بنا دیتا ہے۔ اور پھر ایسے افراد مل کر جو معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو اس میں اعلیٰ ترین مدنیت از خود ہر طرف سے جھلکتی نظر آتی ہے۔ اعلیٰ ترین تمدن کا دعویدار یورپ، تمام دعوؤں کے باوجود عملاً ایسا نہیں کرتا۔ برطانیہ کی سلطنت میں، اسکاٹ لینڈ، آئر لینڈ اور ویلز، سب شامل ہیں۔ لیکن ان کا کوئی باشندہ آج تک برطانیہ کا وزیر اعظم نہیں بن سکا۔ کوئی کیتھولک اس عہدے تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوسری طرف تاریخ اسلام شہادت دیتی ہے کہ یہاں ایک غلام کا بیٹا بھی دربار رسالت ﷺ سے فوجوں کی سپہ سالاری کا عہدہ پاسکتا ہے۔ ایک زر خرید غلام کے بیٹے کا نکاح سید البشر ﷺ کی پھوپھی زاد بہن سے ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو ذرؓ اپنے غلام کو مارتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں: جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابو ذرؓ زمین پر گر پڑتے ہیں اور غلام سے کہتے ہیں: اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔ عدالت میں ایک یہودی اور حضرت علیؓ کو برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر کیا عظیم منشور انسانی پیش کرتے ہیں۔ فرمایا: لوگو! خبردار رہو، تم سب کا اللہ ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ تعلیمات تھیں جن پر چل کر مسلمانوں نے عملاً ایک عالم گیر اور روشن خیال معاشرہ قائم کر کے دکھا دیا اور دنیا کو ماننا پڑا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر نسل کے لوگ اکٹھے کر کے محض ایک عقیدے کی بنا پر انہیں ایک امت بنا سکتا ہے۔ (۲۰۵)

معاشرہ کی سلامتی کے لئے سب سے پہلے ازدواجی زندگی کا پرسکون تصور پیش کرتا ہے، بقائے امن کی خاطر اختلاط مرد و زن کو حرام اور عورتوں کے لئے پردہ لازم ٹھہراتا ہے۔ بدامنی پھیلانے والے عناصر کو قرار واقعی سزا کا مستحق قرار دیتا ہے کہ

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةً جَلْدَةً وَلَا
تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلِكَيْ شَهَدُ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ
الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۲۰۶)

اسی طرح اگر زوجین کے مابین نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہ پاتی ہے تو خاندانی امن کو برقرار رکھنے کے لئے طلاق کی بھی اجازت دیتا ہے۔ آج آزادی نسواں کی دعوے دار مغربی دنیا کا جائزہ لیں تو بتا چلے گا کہ مغربی معاشرے میں خواتین کے چہرے کی شادابی غائب ہو چکی ہے، ان کا قلبی سکون لٹ چکا ہے کیونکہ ان کا فیملی سسٹم بگڑا ہوا ہے۔ نتیجتاً وہ اسلام کو اپنے لئے جائے امان تصور کرنے لگی ہیں۔ اسلام معاشرے میں قیام امن کی سعی کرتا ہے اور سد ذرائع کے اصول پر عمل کرتے ہوئے، بدامنی پھیلانے والے عناصر کو بیخ و بن ہی سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتا ہے،

جس طرح اسلام نے ایک ہمہ گیر عالمی اخلاقی نظام دیا ہے، اسی طرح اس نے ہر صنف، ہر طبقے اور ہر مذہب کے افراد کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں تاکہ انسانی بھائی چارے، احترام آدمیت اور معاشرتی و سماجی مساوات میں کہیں خلل واقع نہ ہو۔ انسانی حقوق کی ادائیگی میں اسلام نے قومی، وطنی، مذہبی اور طبقاتی عصبیت کا نام و نشان جس انداز میں مٹایا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ انسانی حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے وہ مسلمانوں کے لئے جو معیار مقرر کرتا ہے وہ یہ ہے: ”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بنی نوع انسان کی بھلائی کا جذبہ کسی انسان کے دل میں پیدا نہ ہو تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ رنگ و نسل اور اس کے امتیازات کو ختم کرتے ہوئے عالم گیر معاشرت کے تصور کو، خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے یوں واضح فرمایا: ”اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ آدم بھی ایک ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، مگر پاک بازی اور تقویٰ کی وجہ سے۔ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔“ خدا نے پہلے انسان کی تخلیق خلافت و نبوت کی ذمہ داری کے ساتھ کی تھی، اس لئے بنی نوع انسان کے ہر فرد کو چاہئے کہ وہ اس دنیا میں خلافت الہی کا فریضہ ایک فرض شناس کی طرح انجام دے۔ وہ اس کائنات میں معین خدا بن کر نہیں بلکہ نائب خدا بن کر تصرف کرے۔ وہ صفات الہی کا مظہر بن کر کائنات ارضی کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے۔ اس کو خلق و باخلاق اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا مقلب یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کے خالق کی نظر جہان ہست و بود کی پہنائیوں سے بھی زیادہ وسیع ہے، اسی طرح انسان کے قلب و نافر میں وسعت و ہمہ گیری ہونی چاہئے۔ جس طرح اس کے رحم و کرم کا فیضان ساری مخلوق کے لئے عام ہے، اسی طرح اس کے دل میں بھی یہی ہمہ گیر جذبہ رحم و کرم موجزن ہونا چاہئے۔ اس کا خوانِ ربوبیت جس طرح اپنے نافرمانوں پر بھی بند نہیں ہوتا، انسان کو بھی اپنے اندر ربوبیت عامہ کا یہی جذبہ ابھارنا چاہئے۔ وہ سب کو دیتا ہے مگر خود کسی سے کچھ لیتا۔ یہی بے

نیا ز اور بے غرض جذبہ انسان کو اپنے دل کی گہرائیوں میں پیدا کرنا ہے۔ ساری مخلوق خدا کی عیال ہے، اس کے ایک ایک فرد سے اس کو محبت ہے، اس لئے ایک انسان کو ایک انسان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہئے جو وہ اپنے بال بچوں کے لئے پسند کرتا ہے۔

ہر انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل و تمیز دی ہے، پھر اس نے وحی کے ذریعے اس کو صحیح زاویہ نظر اختیار کرنے کی طرف رہنمائی بھی کر دی ہے، اس لئے ہر شخص کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر چلتا رہے یا غلط عقیدہ قائم کر کے چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں میں بھٹکتا پھرے۔ بہر حال اس دنیا میں اسے کوئی نظریہ یا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲۰۷)

دین کے بارے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ (اس کا جی چاہے قبول کرے، جس کا جی چاہے نہ کرے)۔

قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ہر مسلمان کو تنبیہ کرتا ہے کہ:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ

تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ (۲۰۸)

اگر اللہ چاہے تو زمین کے تمام رہنے والے مومن ہو جائیں تو کیا تم لوگوں

کو مومن بنانے میں جبر واکراہ کرنا چاہتے ہو۔

اس نے محض حریت عقیدہ کا نظریہ ہی نہیں پیش کیا بلکہ عملی و قانونی طور پر اس کی حفاظت بھی کی ہے۔ اس سلسلے میں کسی پر کوئی جبر نہ کیا جائے، جیسا کہ مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی کو اپنے کسی عقیدے کی طرف دعوت دینا ہے یا کسی کے عقیدے پر تنقید کرنی ہے تو عمدہ پیرائے اور نرمی کے ساتھ کرنی چاہئے۔

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ

وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُتَدِينِ ○ (۲۰۹)

اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت و حکمت و حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کروایے طریقے پر جو بہترین ہو۔

پوری اسلامی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ دعوت اسلام کے معاملے میں کبھی جبر کو اختیار نہیں کیا گیا اور غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کو ہمیشہ مقدم رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ان کی دینی آزادی کو واضح انداز میں متعین فرمادیا تھا۔ مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی اقدامات نے وہاں کی قومی مرگی کو ایک ہمہ گیر معاشرت سے بھی متعارف کرایا۔ ہجرت کے سال میں آپ ﷺ نے رجب ذیل پانچ امور پر اپنی توجہ مبذول فرمائی:

۱۔ میثاق مدینہ کے ذریعہ سے آپ ﷺ نے اہلیان مدینہ کو بین المذاہب یگانگت اور اتحاد کا درس دیا۔ میثاق مدینہ آپ ﷺ کا ایسا اقدام تھا جس کے نتیجے میں ریاست مدینہ میں آپ ﷺ کی حاکمیت مسلم ہو گئی۔ ۲۔ مواخات کے ذریعے آپ ﷺ نے معاشی استحکام کا پروگرام دیا۔ اس طرح مکے سے آنے والے مہاجرین کی آباد کاری و معاشی بحال ممکن ہوئی۔ ۳۔ مسجد نبوی ﷺ تعمیر کی گئی اور افراد معاشرہ کی تربیت کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ ۴۔ ریاست مدینہ کا نظم و نسق چلانے کے آپ ﷺ نے نظام سلطنت System Administrative دیا۔ ۵۔ ریاست مدینہ کے دفاع کے لئے آپ ﷺ نے اقدامات فرمائے۔

آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ سمیت کفار مکہ اور دیگر عرب قبائل کے ساتھ معاہدات فرمائے۔ ان معاہدات میں قابل ذکر بات یہ تھی کہ یہ سب کی سب اسلام دشمن سیکولر اکائیاں تھیں جن کے ساتھ آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف نوعیت کے اتحاد کئے۔ لیکن آپ ﷺ کے دو اتحاد بطور خاص مشہور ہوئے، اور نتائج کے اعتبار تاریخی اور فیصلہ کن اہمیت کے حامل ٹھہرے۔ ان میں ایک میثاق مدینہ اور دوسرا معاہدہ حدیبیہ، میثاق مدینہ ایک ہجری میں

یثرب کے قبائل اور بالخصوص یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ہونے والا سیاسی اور دفاعی معاہدہ تھا، جب کہ معاہدہ حدیبیہ ۶ ہجری میں عرب کی سب سے بڑی اسلام دشمن قوت کفار و مشرکین مکہ کے ساتھ طے پایا۔

بین المذاہب اور بین الاقوامی اتحاد و یگانگت کی بنیاد کو مؤثر اور مستحکم کرنے کے لئے اسلام نے سب سے زیادہ زور بے لاگ اور مساویانہ انصاف پر دیا۔ اسلام کے نزدیک عدل و انصاف محض ایک قانونی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ وہ ضابطہ قانونی کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری بھی ہے، جو انصاف کو صرف عدالت تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ وہ انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے ہر گوشے میں مصنف اور عادل بنانا ہے۔ وہ جس طرح ایک فرد کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے، اسی طرح قومی، ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں بھی ہر قدم پر اس کی نگرانی کرتا ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (۲۱۰)

مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مکہ سے ہم کنار کیا تو اس موقع پر اس آیت کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کے جذبے کی ہمیشہ کے لئے بیج کئی کر دی گئی:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۲۱۱)

کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسب رکھتا ہے۔ اللہ سے در کر کام

کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

وہ چیز جس سے بین المذاہب اور بین الاقوامی تصورات اور جذبات کو نظری اور عملی طور پر مضبوطی میسر آتی اور بھائی چارے کی فضا کو فروغ ملتا ہے، وہ معاہدات کی پابندی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدات کی پابندی کو اخلاقی اور قانونی دونوں حیثیتوں سے ضروری قرار دیا ہے۔ معاہدہ خواہ شخص یا اجتماعی، معاشی ہو یا تجارتی، صلح کا ہو یا امن و امان کے قیام و بقا کا۔ اس کی پابندی ہر صورت لازمی ہے۔ اسلام کا دامن توثیق معاہدات کے سلسلے میں بڑا وسیع ہے۔ اس کے نزدیک اگر برسر جنگ قوم بھی صلح اور مصالحت کے لئے ہاتھ بڑھائے تو جب تک مسلمانوں کو کوئی شدید نقصان نہ ہوا ہو یا اس میں کوئی کھلا ہوا فریب نہ نظر آتا ہو، اس وقت تک اس کا خیر مقدم کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم وحدیث میں اس کی بار بار اور سخت تاکید آئی ہے اور عملی طور پر اسلامی حکومتیں اس کی پابندی کرتی رہی ہیں:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (۲۱۲)

عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور باز پرس ہوگی۔

اسلام نے معاہدے کو اسلامی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے بڑی اہمیت دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کے فروغ اور اسلام کے استحکام کے لئے کثیر الجہات حکمت عملی اختیار فرمائی جس میں آپ ﷺ نے مخالف قوتوں کے ساتھ اتحاد و معاہدات کئے، یہود سے معاہدہ توحید کے ”مساوی کلمہ“ کی بنیاد پر طے پایا۔ دیگر کئی قبائل سے معاہدات طے کرتے وقت آپ ﷺ نے حالات کے مطابق حکمت عملی اختیار فرمائی۔ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف نے معاہدے کے لئے یہ مطالبات پیش کئے: ۱۔ نماز سے استثناء، ۲۔ حرمت زنا سے استثناء، ۳۔ طائف کو حرم قرار دینا، ۴۔ فرضیت زکوٰۃ سے استثناء، ۵۔ فرضیت جہاد سے استثناء۔ آپ ﷺ نے انہیں پہلی دو شرطوں پر منوالیا اور بعد کی تین شرطیں مان لیں۔ صحابہ کرام سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اسلام ان کے دل میں جم جائے گا تو وہ خود بخود مکمل اسلام کو

مان لیں گے۔ آپ ﷺ نے صرف یہود مدینہ سے ہی نہیں بلکہ دیگر کئی قبائل مثلاً بنی ضمرہ، بنی غفار، نعیم بن مسعود اشجعی اور نجران کے عیسائیوں سے بھی معاہدات کئے۔ آپ ﷺ نے پیغمبر حق کے فروغ کے لئے مختلف النوع اتحاد کئے جو سماجی، سیاسی، عسکری و دفاعی، اقتصادی اور تجارتی نوعیت کے تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کی فضا پیدا کی۔ آپ ﷺ نے وہاں کے عام شہریوں اور یہودیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں ۴۸ دفعات ہیں۔ ان میں سے ہر دفعہ معاہداتی دنیا میں اپنی انفرادیت رکھتی ہے اور یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت میں دوسرے مذاہب کی کیا حیثیت ہے، نیز یہ کہ اسلام اپنے ہمسایوں کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کا کس قدر خواہاں ہے۔

بین الاقوامی تعلقات کے استوار کرنے اور بین المذاہب اتحاد اور رواداری کو فروغ دینے میں دوست اور دشمن ملکوں کے سفر اور نمائندوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بسا اوقات یہ سفر اور نمائندے بڑے بڑے بگڑے اور الجھے ہوئے معاملات سلجھا دیتے ہیں اور کبھی ان کی ذرا سی غلطی سے بہت سے معاملات خراب بھی ہو جاتے ہیں۔ سفر اور نمائندے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ نمائندے یا دودھ جو کسی عارضی مہم پر یا کسی وقتی اقتصادی یا سیاسی معاملہ طے کرنے کے لئے کسی ملک میں آ جاتے ہیں اور دوسرے وہ سفیر جو مستقل طور پر اپنے ملک کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس وقت بین الاقوامی تعلقات کی استواری کے لئے ناگہانی اور معاشی ضرورتوں پر امداد کا طریقہ بھی رائج ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا تصور دوسرے تمام نظاموں سے زیادہ آفاقی اور پاکیزہ ہے۔ قریش اور ان کے ہم نوا قبیلوں کو مسلمانوں سے جو پر خاش تھی اور جس طرح وہ ان کے خون کے پیاسے تھے اس سے ہر ایک واقف ہے، مگر اسی دوران ایک زبردست قحط پڑتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوتی ہے۔ آپ ﷺ مدینہ سے اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کے پاس کھجوریں پانچ سو دینار نقد اس لئے روانہ فرماتے ہیں کہ وہ قحط زدہ اشخاص کی اس سے مدد

کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ امداد مدینہ جیسی غریب اور چھوٹی سی آبادی کی طرف سے اُس کو دی گئی جو دنیا میں اسلام کی سب سے بڑی دشمن تھی۔

حاصل کلام:

علم کی جستجو اور اس کی اشاعت دینی فریضہ ہے، اسی لئے علمائے اسلام نے اس راہ میں طلب صادق اور جہدِ عظیم کی حیرت انگیز مثالیں قائم کی ہیں۔ جو آج بھی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں، خود عرب کا قریب ترین ماحول جو حضور اکرم ﷺ کا اولین میدانِ کارِ بنا، اس کا تصور کریں تو دل دہل جاتا ہے، لیکن حضور اکرم ﷺ عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر تباہ تھے ہیں اور اپنی تعلیم اور تربیت کی روشنی سے ایک عالم کو منور کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب تک اپنا اوزھنا بچھو نا علم و ہنر کو رکھا دنیا میں سرخورد رہے، اور جوں ہی اس روشنی سے اپنی زندگیوں میں چراغاں کرنا چھوڑ دیا، دنیا میں رسوا ہوئے۔ موجودہ زمانہ میں ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر علم کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنائیں۔ بڑی بڑی قوموں، جابر و ظالم حکمرانوں اور غلط ماحول سے متاثر ہو کر حقائق کی راہ سے ہٹ کر قیاسی اور ادھورے نظریات پر اپنی زندگی کی تعمیر نہ کریں۔ اسلامی نظامِ تعلیم کی ذمہ داری یہ ہے کہ واضح علوم جو تقلید سے متاثر نہ ہوں پر نظامِ تعلیم کی بنیادیں استوار کی جائیں۔ ثابت شدہ یا الہامی ہدایات، مشاہدے اور تجربہ پر مبنی نظامِ تعلیم ہی ہمیں اچھے مستقبل کی نوید دے سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً ایک نظامِ تعلیم و تربیت چلا کر قرآن کریم کی جو شراح پیش فرمائی ہے اسی سارے کارنامے کی مدد لے کر ہم تعلیمی خاکے میں صبحِ رنگ بھر سکتے ہیں۔



حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ سیرت ﷺ، ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۲۲۳
- ۲۔ سورہ جمعہ، آیت ۱۱۲
- ۳۔ سیرت النبی ﷺ، علامہ شبلی نعمانی، جلد اول، ص ۱۶۲

۴. سیرت سروردو عالم رحمہ اللہ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۶۰
۵. سورہ طہ، آیت ۳۵
۶. سورہ المجادلہ، آیت ۱۱
۷. سورہ الزمر، آیت ۱۰
۸. سورہ فاطر، آیت ۹
۹. ولی الدین، أبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب مشکوۃ المصابیح، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۲۴۳
۱۰. ایضاً
۱۱. بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ایچ ایم سعید کمپنی، ص ۴۴۲
۱۲. جامع بیان العلم، ص ۱۱۴
۱۳. نووی، ابوزکریا یحییٰ بن شریف ریاض الصالحین مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، ۱۳۵۰ھ، ص ۱۱
۱۴. ولی الدین مشکوۃ المصابیح، ص ۲۹۹
۱۵. ایضاً
۱۶. ایضاً
۱۷. دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآن حکیم، ڈاکٹر اسرار احمد، مکتبہ خادما القرآن، لاہور، ۲۰۰۳ء
۱۸. سیرت سروردو عالم رحمہ اللہ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، جلد اول، صفحہ ۱۰۸-۱۲۳، لاہور، ۱۹۸۳ء
۱۹. سورہ نجم، آیت ۳۹
۲۰. سورہ الاعلیٰ، آیت ۱۴
۲۱. ماہنامہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۰۵ء، خرم جاہ مراد

- ۲۲۔ ندوی، ریاست علی، اسلامی نظام تعلیم مکتب انسانیت، اردو بازار لاہور، ص ۱۲/
- ۲۳۔ سورہ العلق، آیات ۵ تا ۲
- ۲۴۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۳
- ۲۵۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم، ص ۱۱۲
- ۲۶۔ ایضاً
- ۲۷۔ ایضاً
- ۲۸۔ المنذری، ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی، الترغیب والترہیب، مطبوعہ مصطفى البانی الحلبي مضر ۱۳۸۸ھ، ج ۱، ص ۳۵
- ۲۹۔ ایضاً
- ۳۰۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، ص ۱۱۲
- ۳۱۔ ایضاً
- ۳۲۔ سورۃ کہف، آیت ۱۱۳
- ۳۳۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم، ص ۱۱۲
- ۳۴۔ المنذری، ذکی الدین الترغیب والترہیب، ج ۱، ص ۳۴
- ۳۵۔ ایضاً
- ۳۶۔ جامع بیان العلم
- ۳۷۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم، ص ۱۱۲
- ۳۸۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، باب البكاء والخوف، ص ۲۰۰
- ۳۹۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، ص ۳۲۵
- ۴۰۔ ولی الدین کی مشکوٰۃ کتاب العلم میں خیر کا لفظ کئی جگہ علم باعمل کے لئے آیا ہے۔
- ۴۱۔ نووی، ریاض الصالحین، باب الخوف
- ۴۲۔ جامع بیان العلم، ص ۱۱۲

۳۳. جمع الفوائد باب آداب العلم حدیث: ۲۵۲
۳۴. المنذری، الترغیب والترہیب کتاب العلم، ج ۱، ص ۲۳
۳۵. ولی الدین، مشکاة باب الحذر، ولی الدین، ص ۳۰۱
۳۶. سورہ بنی اسرائیل، آیت ۳۶
۳۷. نووی، ریاض الصالحین، کتاب العلم، ص ۱۱۱
۳۸. ولی الدین، مشکاة باب جامع الدعاء
۳۹. ولی الدین، ریاض الصالحین کتاب العلم
۵۰. منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ اللعالمین، جلد سوم، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۳۰
۵۱. مولانا سلیمان ندوی، شبلی، ندوی، سیرت النبی ﷺ، جلد چہارم، اعظم گڑھ، ۱۹۳۲ء، ص ۳۱۶
۵۲. مودودی، اسلام اور جاہلیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص ۲۵
۵۳. پروفیسر حسن الدین ہاشمی، اسلامیات، رشید سنز کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۹۵
۵۴. رحمۃ اللعالمین، جلد سوم، قاضی محمد، سلیمان منصور پوری، شیخ غلام اینڈ سنز لاہور، ص ۳۲۰
۵۵. بخاری، صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر ۵۰
۵۶. مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیمات، حصہ دوم، ص ۳۵، ۳۸
۵۷. سورہ بقرہ، آیت ۱۷۷
۵۸. جنرل گل پاشا محمد رسول اللہ ﷺ، عظیمی پرنٹر کراچی، ص ۳۱
۵۹. سورہ یسین، آیت ۴۷
۶۰. بخاری، صحیح بخاری، ص ۵۰۰

- ۶۱۔ سورة البلد، آیات ۱۱ تا ۱۸
- ۶۲۔ ولی الدین، مشکوٰۃ، باب جامع الدعا
- ۶۳۔ سورہ دہر، آیات ۸ تا ۱۰
- ۶۴۔ بخاری، صحیح بخاری ص ۴۴۸
- ۶۵۔ علی اوسط صدیقی، اسلامیات، طاہر سنز کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۹۷
- ۶۶۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۰
- ۶۷۔ سورہ التین، آیت ۴
- ۶۸۔ سورہ حشر، آیات ۲۲ تا ۲۴
- ۶۹۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ص ۴۱۱
- ۷۰۔ سورہ انعام، ۶: آیت ۱۶۲
- ۷۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۳۱
- ۷۲۔ سورہ الکہف، آیت ۱
- ۷۳۔ سورہ فرقان، آیت ۳۰
- ۷۴۔ بخاری، بخاری شریف، ص ۴۴۴
- ۷۵۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۱۲، ص ۱۱۲
- ۷۶۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ص ۴۱۱
- ۷۷۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۱۲، ص ۱۱۲
- ۷۸۔ ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد عیسیٰ، سنن ترمذی، ج ۱، ص ۱
- ۷۹۔ سیرت ابن ہشام، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۵ھ، ج ۱، ص ۱۷۸
- ۸۰۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۸۹
- ۸۱۔ شاہ ولی اللہ، حجة اللہ بالغہ، مطبوعہ، لاہور، ص ۴۴
- ۸۲۔ شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ج ۱، ص ۲۵
- ۸۳۔ قلندر علی، نور احمد، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۱-۱۵۲

۸۴. السلطانیہ، جمال رسول اللہ ﷺ، قلندر علی، مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور، ۱۹۵۲ء، ص ۲۰۸
۸۵. ابوالحسن ماوردی، احکام السلطانیہ، مصر ۱۲۹۸ء، ص ۱۳۷
۸۶. احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان، قاہرہ، ۱۹۰۱ء، ص ۲۷۲
۸۷. صحیح، مسلم کتاب المساجد، ص ۱۱۹
۸۸. ابوداؤد، باب آداب مجلس
۸۹. ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد عیسیٰ، سنن ترمذی، ج ۱، ص ۲۱
۹۰. ابوداؤد، ص ۲۷۲
۹۱. استیعاب، ج ۲، ص ۱۲۹
۹۲. سفر السعادت، ص ۲۹۰
۹۳. سیرت ابن ہشام، ص ۲۳۵
۹۴. ترمذی، سنن ترمذی، ج ۲، ص ۱۰۱
۹۵. بخاری، صحیح بخاری، ج ۱۱، ص ۱۱۰
۹۶. احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۰۹
۹۷. ذار المعاد، ج ۱، ص ۲۱۱
۹۸. بخاری، بخاری شریف و مسلم و نسائی باب الایلا
۹۹. طبری، ممد بن جریر، تاریخ طبری ذکر فتح مکہ، ص ۱۲۳۹
۱۰۰. اصابہ فی تذکرۃ الصحابہ، ج ۲،
۱۰۱. مسعودی، مروج الذهب، ص ۲۱۹
۱۰۲. بخاری، صحیح بخاری، جلد اول، ص ۱۵، کتاب ایمان
۱۰۳. بخاری، صحیح بخاری، کتاب العلم
۱۰۴. بخاری، صحیح بخاری کتاب العلم ص ۱۳

- ۱۰۵۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید سنن ابن ماجہ مطبع مجتہائی، باب فضل العلماء، ص ۲۱
- ۱۰۶۔ ایضاً، باب القدر، ص ۹
- ۱۰۷۔ بخاری، صحیح بخاری، ص ۲۱۳
- ۱۰۸۔ مسلم، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، ص ۲۱۳
- ۱۰۹۔ بخاری، صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، ص ۲۱۳
- ۱۱۰۔ بخاری، صحیح بخاری باب الوفات، ص ۱۱۱
- ۱۱۱۔ احمد بن حنبل، مسند احمد جلد اول، ص ۳۶۸
- ۱۱۲۔ بخاری، صحیح بخاری و مسلم
- ۱۱۳۔ صحیح مسلم باب السلام، ص ۲۰۰
- ۱۱۴۔ سورۃ حدید، آیت ۱۰۵
- ۱۱۵۔ ابن ہشام، سیرۃ ابن ہشام ذکر فتح مکہ
- ۱۱۶۔ بخاری، صحیح بخاری قیام اللیل، ص ۲۱۰
- ۱۱۷۔ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد سجد الشکر، ص ۱۱۱
- ۱۱۸۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۹۷
- ۱۱۹۔ ابن ماجہ
- ۱۲۰۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۱۱
- ۱۲۱۔ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، ابواب السجود، ص ۱
- ۱۲۲۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء، ص ۲۱۹
- ۱۲۳۔ سورہ احقاف، آیت ۱۰
- ۱۲۴۔ Mahatma Gandhi, Speaking on the Charcter of Muhammad (PBUH) Says in young india.
- ۱۲۵۔ رسالہ 'پیشوا' ۱۳۵۷ھ، رسول نمبر،
- ۱۲۶۔ رسالہ 'پیشوا' ۱۳۵۳ھ، رسول نمبر،
- ۱۲۷۔ حضرت محمد ﷺ کا پوترن جیون، سوامی نرائن، رسالہ پیشوا، ۱۳۵۴ھ، رسول نمبر

۱۲۸. پیغمبر، پروفیسر اندرجی، رسالہ مولوی، ۵۱۳۵۰، رسول نمبر
۱۲۹. George Bernard Shaw, The Geniune Islam, Suigapore, 1963, Vol-1` No8
۱۳۰. Lamartine, History De La Turquie, 1954, Paris, Vol-ii, PP276-277
۱۳۱. Thomas Calye, in his Heroes and Heroworship.
۱۳۲. Edward Gibbon and Simon okely, History of the Saracen Empires, 1870, London, P54.
۱۳۳. Sarojni Naidu, Ideals of Islam, Vide Speeches & Writing 1981, Madras, P.169
۱۳۴. Prof. Hurgronje, The realization of the Idea of the League of Nations.
۱۳۵. پروفیسر خورشید نے یہ مقالہ اٹلی کے تاریخی شہر اریشے Erice میں ورلڈ سائنس فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام منعقدہ ہونے والے ایک بین الاقوامی سیمینار کے ۳۵ ویں اجلاس ۱۲ تا ۱۸ مئی ۲۰۰۲ء، میں پیش کیا۔
۱۳۶. دہشت گردی کے خلاف جنگ، پروفیسر خورشید، ترجمان القرآن، نومبر ۲۰۰۲ء
۱۳۷. Dying to win, Robert Pate, Chicago University
۱۳۷. John Most's Revolutionary A Time to kill (USA, 1980) War Science, 1885
۱۳۹. Terrorisn in Context, ed by Martha Crenshaw, Pensylvania State University Press 1955.
۱۴۰. Origions to Terrorsm: Psychologies, Ideologies,

- Theologies, States of Mind, ed by Walter Reich,
Woodrow Wilson Centre, Washington, 1998.
- Violences, Terrorism and Justice, ed. by R.G. ۱۴۱
Frey, Cambridge University Press 1991.
- Global Terrorism: The Complete References ۱۴۲
Guide, by Hary Henduson Checkmark Books,
New York, 2001.
- The Terrorism Reader, ed. by David J. Whiterlu, ۱۴۳
Rutbdgi, London 2001.
- Pollitical Terrorism: A reseach Guide to Concepts, ۱۴۴
Theories, data bases and Literature, by A.P.
Schmid, North Holland Publishing, Amsterdam,
1983.
- Islam, Fundamentalism and the Betrayal, to ۱۴۵
Tradition (Indiano: World Wisdom 2004)
- The Economics of Terrorism, How bin Laden is ۱۴۶
Changing the Rules of the Game P.191
- Dying to Win: The Stragic Logic of Suicide ۱۴۷
(Robert A Page) Terrorism New York: Random
House, P4.
- The Clash of Civilization and The Remaking of ۱۴۸
World Order: Samuel and Schuster, London.
P187
- ۲۰۰۵، فارلیس میگزین، ۱۴۹
- ۲۰۰۶، واشنگٹن پوسٹ، ۲۷ جون ۱۵۰
- The Bush Agendo, Antioia Gobaz, America ۱۵۱

- ۱۵۲۔ برطانیہ کے عظیم دانش ور ہیرلڈ پنٹرنے جن کو سال ۲۰۰۵ء کا ادب کا نوبل انعام ملا، ۷ دسمبر ۲۰۰۵ء کو انعام حاصل کرنے والی تقریب کی اپنی تقریر میں کہا۔
- ۱۵۳۔ یکم جون ۲۰۰۲ء کو امریکی بحریہ کے ایک اہم عہدیدار ایڈم ہیری گارڈین اخبار کا انٹرویو
- ۱۵۴۔ یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل
- ۱۵۵۔ نادین گورڈینر (Nadine Gordimer) نے جو کہ ادب میں نوبل انعام یافتہ ہیں ۱۹۹۷ء
- ۱۵۶۔ Crude: The Story of oil, Sonia Shalo America
- ۱۵۷۔ World Food Programme
- ۱۵۸۔ World Aid Programme
- ۱۵۹۔ سرمایہ دارانہ ایجنڈے کی تکمیل، تویہ صادق خان، ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۰۷ء
- ۱۶۰۔ فرنٹ لائن، میگزین، بھارت، شمارہ ۲۲، یکم جنوری ۲۰۰۵ء
- ۱۶۱۔ Wikipedia Free Encyclopedia
- ۱۶۲۔ امریکہ کا اخلاقی بحران، سابق امریکی صدر جمی کارٹر، باب ۱۶
- ۱۶۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۶۴
- ۱۶۴۔ سورہ اعراف، آیت ۱۸۵
- ۱۶۵۔ سیرت درود عالم، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، ج ۲، ص ۳۸۷
- ۱۶۶۔ محسن انسانیت، نعیم صدیقی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۲۰ء، ص ۱۱۵
- ۱۶۷۔ اسلامی نظام حیات، شیخ محمد اقبال، علمی کتاب گھر،

- لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۲۰
- ۱۲۸۔ رسل و رسائل، مولانا امین احسن اصلاحی، ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۴۷ء، ص ۶۶
- ۱۲۹۔ اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام، نکہت شاہجہانپوری، کشمیری بازار لاہور، ۱۹۴۹ء، ص ۱۳۷
- ۱۳۰۔ سورہ عنکبوت، آیت ۴۶
- ۱۳۱۔ ہمارا اخلاق، عبدالقیوم ندوی، کراچی ۱۹۶۲ء، ص ۸۲
- ۱۳۲۔ سورہ فاتحہ، آیت ۱
- ۱۳۳۔ سورہ ناس، آیات ۱ تا ۳
- ۱۳۴۔ سورہ الاعراف، آیت ۱۵۷
- ۱۳۵۔ سورہ الفاطر، آیات ۱ تا ۲۲
- ۱۳۶۔ سورہ حشر، آیت ۲۳
- ۱۳۷۔ سورہ المائدہ، آیت ۳۲
- ۱۳۸۔ سورہ النساء، آیت ۸۶
- ۱۳۹۔ اسموگ رچرڈ، ویسٹ ویو پریس، لندن، ۱۹۸۷ء، ص ۲
- ۱۴۰۔ سورہ الانعام، آیت ۸۲
- ۱۴۱۔ امام مسلم، مسلم شریف و ابوداؤد، ص ۱۱
- ۱۴۲۔ ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ص ۲۰۰
- ۱۴۳۔ الخراج لابن یوسف
- ۱۴۴۔ سورہ الانعام، آیت ۱۳
- ۱۴۵۔ سورہ البقرہ، آیت ۳۵
- ۱۴۶۔ سورہ کہف، آیت ۲
- ۱۴۷۔ سورہ الفاطر، آیت ۳
- ۱۴۸۔ سورہ الرعد، آیت ۱
- ۱۴۹۔ سورہ یونس، آیت ۵

- ۱۹۰۔ سورہ المومن، آیت ۸
- ۱۹۱۔ سورہ النحل، آیت ۵
- ۱۹۲۔ سورہ البقرہ، آیت ۲۱
- ۱۹۳۔ سورہ المائدہ، آیت ۷
- ۱۹۴۔ سورہ الجاثیہ، آیت ۲
- ۱۹۵۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۲۲
- ۱۹۶۔ سورہ طہ، آیت ۱۱۲
- ۱۹۷۔ سورہ البقرہ، آیت ۲۲۹
- ۱۹۸۔ سورہ النساء، آیت ۱۹
- ۱۹۹۔ سورہ النساء، آیت ۳۲
- ۲۰۰۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج ۱۳، ص ۸۵
- ۲۰۱۔ سورہ المائدہ، آیت ۷
- ۲۰۲۔ سورہ المائدہ، آیت ۸
- ۲۰۳۔ مودودی، رحمۃ اللعالمین، ص ۳۷۴-۳۷۵
- ۲۰۴۔ سورہ الحديد، آیت ۲۷
- ۲۰۵۔ مودودی، رحمۃ اللعالمین، ص ۸۷-۸۹
- ۲۰۶۔ سورہ النور، آیت ۲
- ۲۰۷۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۶
- ۲۰۸۔ سورہ یونس، آیت ۹۹
- ۲۰۹۔ سورہ نحل، آیت ۱۲۵
- ۲۱۰۔ سورہ نساء، آیت ۵۸
- ۲۱۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۸
- ۲۱۲۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۳۲

